

سلسلہ "ندوة المصنفين"

(۱۱۷)

# وَاحِدَةٌ الْوَجُودُ

تَأْلِيفُ

بِحجر العلوم علامہ عبدالحی انصاری لکھنؤی

مع

بیان مسلک وحدۃ شہود

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سررندھی

رحمۃ اللہ علیہما

ندوة المصنفين  دہلی ۷۷

طبع اولے

ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ مطابق جون ۱۹۷۱ء عیسوی

قیمت مجلد دو روپے پچاس پیسے (۲/۵)

کاتب  
انظر بجنوری

مطبوعہ

جمال پرنٹنگ پریس دہلی ۷

# تعارف

حضرت مولانا شاہ زبید ابوالحسن سجادہ نشین خانقاہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں  
و معروف بہ درگاہ حضرت شاہ ابوالنجر رحمۃ اللہ علیہا، سجادہ نشین ہونے کے باوجود اعلیٰ  
درجے کا علمی مذاق رکھتے ہیں اور اپنے وقت کا بڑا حصہ مطالعہ و تحقیق میں صرف کرتے ہیں۔  
اسی مذاق علمی اور ذوق تحقیق کا اثر ہے کہ موصوف کی اپنی ذاتی لائبریری میں تخلیقی اور  
مطبوعہ کتب و بینیات کا نکھرا ہوا ذخیرہ موجود ہے۔

پچھلے دنوں باتوں باتوں میں تذکرہ آگیا کہ "وحدت الوجود" کے مسئلے پر علامہ  
عبد اعلیٰ لکھنوی کا قلمی رسالہ ان کے کتب خانے میں موجود ہے۔ میں نے کئی سال  
ہوئے اس رسالے کا ذکر شفا الملک حکیم عبداللطیف صاحب لکھنوی مرحوم سے  
سنا تھا۔ اسی وقت سے اس کے مطالعہ کا شوق تھا۔ جیسے ہی مولانا سے یہ بات  
ہوئی خیال آیا کہ اس نایاب علمی تحفے کا ترجمہ کیوں نہ شائع کر دیا جائے چنانچہ میں نے  
اپنا خیال مولانا پر ظاہر کیا اور انہوں نے رسالے کا با محاورہ ترجمہ کر دیا۔ ترجمہ سامنے آیا۔  
تو ذہن میں یہ بات آئی کہ مسئلہ وحدت الوجود علمی نزاکتوں میں گھرا ہوا ہے۔

علمائے ظاہر اور علمائے باطن کے یہاں اس میں بڑے بڑے معرکے ہوئے ہیں اور میدان  
کے ان شہسواروں نے خوب خوب ٹھوکریں بھی کھائی ہیں اس لئے مناسب ہوگا کہ نظریہ  
"وحدت الوجود" کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور معروف نظریہ  
"وحدت شہود" کا بھی خلاصہ آجائے جو اقرب الی الشریعہ ہے۔ مولانا نے کمال ہمت و جدوجہد  
کے مکتوبات کے وہ تمام ضروری حصے چھان کر رکھ دیے جن میں "وحدت شہود" کے مسئلہ  
پر کلام کیا گیا ہے۔ اس طرح موصوف کی کاوش اور عرق ریزی کی بدولت زیر نظر مجموعے

میں دونوں نقاط نظر کا عطر مع اصل کتاب کے آگیا ہے۔

مقدمین مشائخ چشت کے یہاں اگرچہ مسئلہ وحدت الوجود کی غیر معمولی اہمیت تھی بلکہ جذبہ خدمتِ خلق اور روحانی ترقی کیلئے وہ اس کو ایک درجے میں اجزلے ایمان میں شامل کرتے تھے لیکن عوام میں اسکی تشہیر کو وہ بھی ضرور خیال کرتے تھے اور واقعہ یہی ہے کہ یہ مسئلہ اس قدر نازک و پیچیدہ ہو کہ ہر کس ناکس اس کو نہیں سمجھ سکتا۔ بلکہ الٹا اگر اسی کے دلدل میں پھنس جاتا ہے۔ اس مسئلہ پر شاید یہ مثل صادق آتی ہو کہ ایک شخص کی خوراک دوسرے کیلئے زہر ہے۔ صوفیا کیلئے وحدت الوجود پر اعتقاد مرتبہ روحانی اور مدارج ایمانی کے ارتقاء کیلئے ناگزیر تھا لیکن عوام میں اسکی تعبیریں کفر و الحاد کا ذریعہ بن گئیں۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ اس فلسفے کے سب سے بڑے شارح سمجھے گئے ہیں۔ ان کے نظریے کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کے علاوہ کائنات میں کوئی چیز موجود نہیں یا یہ کہ جو کچھ موجود ہے سب خدا ہی ہے۔ لا موجود الا ہو۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ اہل ظاہر کے نزدیک خدا سلسلہ کائنات سے بالکل علیحدہ ایک جدا گانہ ذات ہے جو کان اللہ ولم یکن معہ شیء صوفیا کے یہاں سلسلہ کائنات الٰہی یعنی با وحدت حق زکرت خلق چہ باک۔ نیز خدا جائے اگر گرہ زنی رشتہ یکبیت دھاگے میں جو گرہیں لگا دی جاتی ہیں ان کا وجود اگرچہ دھاگے سے متناظر نظر آتا ہے۔ حقیقت میں دھاگے کے سوا گرہ کوئی زائد چیز نہیں۔ صرف صورت بدل گئی ہے۔ علماء ظاہر اس تعبیر کو احتیاط کے خلاف خیال کرتے ہیں۔

یہ ظاہر ہے اس رسالے کے پڑھنے والے اہل علم میں بھی خالی خالی ہی ملیں گے عام قارئین کا تو سوال ہی کیا ہے۔ لیکن "ندوة المصنفین" اس کو شائع کر کے مطمئن ہو کہ ایک سہم علمی خدمت انجام پاگئی جو اس ادارے کے قیام کا اہم مقصد ہے۔

(یکم ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۲ مئی ۱۹۷۱ء) مفتی عتیق الرحمن عثمانی۔ ندوة المصنفین، دہلی

# مقدمہ

یہ عاجز زیر نظر رسالہ "وحدة الوجود و شہود الحق فی کل موجود" تالیف امر عبد الحلی بجر العلوم کا مطالعہ کر رہا تھا۔ جس سے اتفاق سے حضرت مولانا نقی عتیق الرحمن صاحب عثمانی مدظلہ العالی تشریف لائے آئے۔ آپ نے اس مالہ کو دیکھ کر فرمایا کہ اگر اس رسالہ کا مطلب خیر ترجمہ اردو میں کر دیا جائے۔ ساتھ ہی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی میں سرہ کا مسلک بھی بیان کر دیا جائے تو یہ ایک مفید علمی کام ہوگا۔ اور سلسلہ کو صحیح طور پر سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ و نعم احسانہ کا کرم و احسان ہے کہ اس نے اس جز کو یہ توفیق بخشی کہ رسالہ کو آپ اردو کے قالب میں جلوہ گرد دیکھ رہے ہیں۔ حضرت مجدد کا مسلک بھی اپنے اپنے مقام پر شریحات ذیلی میں واضح کر دیا گیا ہے۔ خدا کرے یہ رسالہ طالبان حقیقت کیلئے مفید ثابت ہو۔ اس عاجز لئے یہ بات بھی موجب مسرت و امتنان ہے کہ حضرت مفتی صاحب اس رسالہ کی اعانت و اشاعت کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو دارین میں جزائے خیر مرحمت فرمائے۔

الوالحسن زید فاروقی

بہنہ ۱۲ شوال ۱۳۹۰ھ

درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر چتالی قبر دہلی ۶

۱۳ دسمبر ۱۹۷۰ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 لِمُبْدِی النُّوْرِ حَمْدًا مَّا لَهٗ حَقٌّ وَلَا یُحْصٰی  
 وَصَلٰی اللّٰهُ عَلٰی نُوْرٍ کَزُوْشِدِ نُوْرِ هٰیپِیْدَا

یہ رسالہ ”وحدۃ الوجود و شہود الحق فی کل موجود“ علامہ عبدالعلی  
 انصاری لکھنوی رحمۃ اللہ کا ہے۔ آپ نے اس رسالہ میں حضرت شیخ اکبر  
 قدس سرہ کے مسلک توحید کو بیان کیا ہے۔ آپ کا رسالہ فارسی میں ہے  
 اس کو اردو میں بیان کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر  
 طور پر حضرت شیخ اکبر اور حضرت مؤلف کے حالات بھی بیان کر دیئے جائیں  
 اور چونکہ یہ عاجز حضرت مجدد قدس سرہ کا مساک ذیلی تشریحات میں  
 بیان کر رہا ہے۔ اس لئے آپ کا بھی مختصر حال ذکر کیا جا رہا ہے۔

وَاللّٰهُ الْمَوْفِقُ وَالْمَعِیْنُ

حضرت شیخ اکبر | آپ کا اسم گرامی محمد کنیت ابو بکر لقب محی الدین  
 ہے۔ آپ فرزند علی بن محمد الحاتمی الطائی ہیں۔  
 آپ کی شہرت ابن عربی کے نام سے ہے اور ابن عربی بھی کہا جاتا ہے  
 علامہ نبہانی نے جامع کرامات الاولیاء میں لکھا ہے کہ شیخ المشیوخ

غوثِ زمانِ ابومَدَنی، ابنِ عربی کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔ انھوں نے آپ کو شیخِ اکبر کا لقب دیا ہے۔

آپ کی ولادت شبِ دو شنبہ ۷ مارچ ۱۱۵۶ھ کو مرسیہ میں ہوئی۔ جو کہ اندلس کا ایک شہر ہے۔ آپ نے وہاں کے اکابر علماء سے علمِ دین پڑھا۔ آئندہ سب سے زیادہ مشہور قاریوں سے پڑھیں پھر اندلس سے جہاتِ شرق کی طرف روانہ ہوئے۔ کچھ مدت ارضِ روم میں قیام کیا۔ وہاں سے حجاز گئے۔ مکہ مکرمہ میں "فتوحاتِ مکبہ" لکھی۔ وہاں سے عراق ہوتے ہوئے ملکِ شام گئے۔ دمشق میں قیام کیا۔ شبِ جمعہ ۲۲ ربیع الآخر ۶۳۸ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔ حبلِ قاسیون میں مدفون ہوئے۔ اور وہ مقامِ صالحیہ کے نام سے مشہور ہے۔ رحمۃ اللہ۔

علامہ نبہانی نے لکھا ہے۔ کہ ابتدا میں آپ کی قیر ظاہر نہ تھی۔ آپ نے اپنے کسی رسالہ میں لکھا ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ وہ رسالہ "الشجرۃ النعمانیہ" ہے۔ اذادخل السین فی الشین ظہر قبر۔ محی الدین۔ یعنی جب شین میں سین داخل ہوگا۔ تو محی الدین کی قیر ظاہر ہو جائے گی۔ شین سے مراد ملکِ شام ہے۔ اور سین سے سلطان سلیم عثمانی۔ سلطان سلیم ۹۲۳ھ کو دمشق گئے۔ انھوں نے آپ کے مزار کو بنوایا۔ اور اسی کے پاس ایک مسجد شریف بھی بنوائی۔

ملک مظفر اویبی نے آپ سے علوم اور کتب کی اجازت طلب کی۔ آپ نے ان کو اجازت نامہ لکھ کر دیا۔ علامہ نبہانی نے اپنی کتاب

”جامع کرامات الاولیاء“ میں اس کو نقل کیا ہے۔ آپ نے اپنے اساتذہ اور اپنی تالیفات کا ذکر کیا ہے۔ اس عاجز نے ان کو شمار کیا۔ آپ نے (تہتر و ۳۷)، اساتذہ اور دو سو اڑتیس (۲۳۸) تالیفات کے نام لکھے ہیں۔ علامہ نبہانی نے لکھا ہے۔ کہ میں نے ایک رسالہ دیکھا ہے۔ جس میں آپ کی تالیفات کا بیان ہے۔ اس رسالہ میں بہت سی ایسی تالیفات کے نام پڑھے جو کہ اُس اجازت نامہ میں نہیں ہیں۔ مولانا عبدالرحمن جامی نے ”نفحات الانس“ میں لکھا ہے۔ کہ مشائخ بغداد میں سے ایک شیخ نے آپ کے مناقب میں ایک کتاب لکھی ہے۔ اور وہ لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ قدس سرہ کی تالیفات پانچ سو سے زائد ہیں۔ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ”لسان المیزان“ میں لکھا ہے ان کی تصنیفات بہت ہیں۔ جو کہ ایک کراسہ یعنی ایک جز سے لیکر ایک سو جلد تک کی ہیں (یعنی اگر کوئی تالیف آٹھ ورقہ ہے تو کوئی تالیف ایک سو جلد کی بھی ہے) انھوں نے ایک تفسیر بھی لکھی ہے جس کا نام ”التفصیل فی اسرار معانی التنزیل“ ہے۔ آپ نے سورہ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ تکسارہ تفسیر لکھی ہے جو کہ چونسٹھ جلدوں میں ہے۔ اس تفسیر کا بیشتر مواد چوری ہو گیا ہے۔

آپ کی علمیت، کثرتِ تالیفات اور جلالتِ قدر سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ علمائے ظاہر میں سے



ایک جماعت نے ان کی مخالفت کی ہے۔ کسی نے ان پر کفر کا حکم کیا ہے۔ کسی نے ان کو زندیق و ملحد قرار دیا ہے۔ اور کسی نے کہا ہے کہ وہ اس اُمت کے شیطان ہیں۔ اور ایک جماعت نے توقف کیا ہے۔ علامہ ابن عماد حنبلی نے "شذرات الذہب" میں لکھا ہے۔ کہ اس جماعت کے امام و سرکردہ شیخ الاسلام علامہ نووی ہیں۔ جب ان سے آپ کے متعلق فتویٰ طلب کیا گیا۔ تو انھوں نے یہ آیت شریفہ تحریر فرمائی۔ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ  
 یعنی وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی جو انھوں نے کیا ان کے واسطے ہے، اور جو تم نے کیا تمہارے واسطے ہے۔ اور تم سے ان کے کاموں کی پوچھ نہیں ہوگی۔ امام نووی کا اتباع علماء کثیر نے کیا ہے۔ اور اکابر علماء میں سے ایک جماعت ایسی بھی تھی جو کہ ان کی ولایت اور بزرگی کی معترف تھی۔ لیکن عوام کے سامنے ان کو برا کہتی تھی۔ اس جماعت میں سے سلطان العلماء علامہ عزالدین ابن عبدالسلام اور امام یافعی ہیں۔ اور اکابر میں سے ایک بڑی جماعت ان کے علم و فضل اور ولایت کی معترف ہے۔ ان میں سے علامہ مجد فیروز آبادی۔ علامہ ابن کمال باشا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی۔ شیخ الاسلام زکریا اور علامہ جلال الدین سیوطی ہیں۔ علامہ سیوطی نے اس سلسلہ میں دوسرے بھی لکھے ہیں۔ علامہ ابن الزمکانی نے "فصوص الحکم" کی شرح لکھی ہے۔ اور ابن عربی کی حمایت کی ہے۔

امام یافعی نے "مرآة الجنان" میں اور مولانا جامی نے "نفحات الانس"

میں اور ابن عماد نے "شذرات الذہب" میں لکھا ہے۔ کہ حضرت شیخ اکبر کی ملاقات امام الطریقہ شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہا سے ہوئی۔ ایک نے دوسرے کو دیکھا اور جدا ہو گئے۔ ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ بعد میں شیخ اکبر سے شیخ سہروردی کے متعلق پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ از سر تا قدم سنتِ مطہرہ سے بھرے ہوئے ہیں۔ اور شیخ سہروردی سے شیخ اکبر کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا اھو بجر الحقائق (وہ حقائق کا سمندر ہیں)

مولانا جانی لکھتے ہیں۔ کہ جناب شیخ طعن و تشنیع کی بڑی وجہ ان کی کتاب "فصوص المحکم" ہے۔ اور اس میں کلام نہیں کہ طعن کرنے والوں کی نثار یا تقلید و تعصب ہے۔ یا ان کی مصطلحات سے بخبری، یا ان معانی اور حقائق کا غموض، جن کو انھوں نے اپنی تصنیفات میں بیان کیا ہے آپ نے اپنی تالیفات میں اور بالخصوص "فتوحاتِ مکیہ" اور "فصوص المحکم" میں جس مقدار میں حقائق اور معارف کو بیان کیا ہے کسی ایک کتاب میں بھی نہیں ہیں اور نہ اس جماعت کے کسی فرد سے ظاہر ہوئے ہیں۔ میں نے خواجہ یرہان الدین البونصر پارہ سا قدس سرہ سے سنا کہ میرے حضرت والد نے فرمایا ہے "فصوص" جان ہے اور "فتوحات" دل۔ اور حضرت والد نے اپنی کتاب "فصل الخطاب" میں جہاں بھی قال بعض الکبار العارفین لکھا ہے۔ اس سے مراد حضرت شیخ اکبر قدس سرہ ہیں۔

حضرت مجدد قدس سرہ ان افراد میں سے ہیں پر اللہ تعالیٰ نے

علم ظاہر اور علم باطن کے ابواب کھول دیئے تھے۔ آپ اسرارِ دینیہ و احکامِ شرعیہ سے کما حقہ واقف ہونے کے ساتھ طریقہ اور حقیقت کے رموز سے بھی پوری طرح باخبر تھے۔ آپ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ کے مسلک سے نہ صرف از روئے کتب واقف تھے، بلکہ خود آپ پر وہ احوال گزرے تھے آپ نے اپنے مکاتیب میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ اور جب آپ نے بعض مسائل میں شیخ اکبر سے اختلاف کیا۔ تو بعض افراد آپ کو توحید و جود کی مخالفت سمجھنے لگے۔ چنانچہ آپ اس سلسلہ میں دفتر اول کے مکتوب ۲۹۰ میں تحریر فرماتے ہیں: "تعجب ہے کہ یہ جماعت (یعنی توحید و جود والے) اس درویش کو توحید و جود کی قائل نہیں سمجھتے۔ بلکہ توحید و جود کی مخالف علماء میں سے شمار کرتے ہیں! الخ البتہ آپ نے جناب شیخ سے بعض مسائل میں اختلاف فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ دفتر دوم کے مکتوب ۴۲ میں لکھتے ہیں: "امور خلافیہ جیسے مسئلہ توحید وغیرہ میں علماء کا مشائخ سے اختلاف ازراہ نظر و استدلال ہے اور فقیر کا اختلاف مشائخ سے ازراہ کشف و شہود ہے۔ علماء ان امور کے قیح کے قائل ہیں۔ اور یہ فقیر بہ شرط عبور ان امور کے حسن کا قائل ہے۔" الخ مع ہذا آپ شیخ اکبر کے متعلق دفتر دوم کے پہلے مکتوب میں لکھتے ہیں: "اس جماعت میں شیخ اکبر سے پہلے ان علوم و اسرار میں کسی نے زبان نہ کھولی تھی۔ اور اس حدیث کو اس طریقہ سے کسی نے بیان نہ کیا تھا۔ اگرچہ احوال مسکر میں ان کی زبان پر "انا الحق" اور "سبحانی" جاری ہوا۔ لیکن اتحاد کی وجہ اور توحید کی منشا کو وہ نہ

پاسکے۔ لہذا جناب شیخ اس جماعت کے متقدمین کے لئے برہان اور متاخرین کے لئے حجت ہیں۔ اور آپ نے دفتر سوم کے مکتوب ۸۹ میں تحریر فرمایا ہے۔ "ان شطح نما عبارات میں یعنی سکر آمیز کلمات میں جیسے انا الحق اور سبحانی اور مافی جبتی الا اللہ میں، نہ حلول ہے اور نہ اتحاد ہے۔ صرف ظہور کی وجہ سے حمل ہے۔ اعتبار کی وجہ سے نہیں ہے۔ جس طرح پر سمجھا گیا ہے۔ اور حلول و اتحاد کی طرف لے جایا گیا ہے۔ ہاں، یہ مسئلہ توحید کا متقدمین کے زمانے میں اچھی طرح تحریر نہ ہوا تھا۔ جو شخص مغلوب الاحوال ہوتا تھا۔ اس کی زبان پر ایسے کلمات آجاتے تھے۔ اور وہ غلبہ سکر کی وجہ سے اس کے بھید کو نہیں پاتا تھا۔ جب شیخ بزرگوار محی الدین بن العری قدس سرہ کی نوبت آئی۔ تو انھوں نے اس دقیق مسئلہ کو پوری طرح شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا۔ اور علم نحو و صرف کی طرح مکتوب اور مفصل کر کے مدون کر دیا۔ پھر بھی ایک جماعت ان کا مطلب نہ سمجھی اور اس نے آپ کو خطا وار قرار دیتے ہوئے مطعون اور ملام کیا حالانکہ اس مسئلہ میں حضرت شیخ اپنی اکثر تحقیقات میں حق پر ہیں اور اہل برطعن کرنے والے صواب سے دُور ہیں بلکہ مسئلہ کی تحقیق سے جناب شیخ کی بزرگی اور وفور علم کو سمجھنا چاہیے نہ یہ کہ ان کا رد اور ان پر طعن کیا جائے۔" الخ آپ حضرت شیخ کی بزرگی اور ولایت کے معترف ہیں۔ فرماتے ہیں کہ وہ مقبولانِ بارگاہ کبریا میں سے ہیں۔

وہ حضرات جو جامع شریعت و طریقت ہیں آپ کی ولایت اور

کمالات کے معترف ہیں۔ قطبِ شام شیخ عبدالغنی نابلسی نے آپ کی تائید میں "الردالمستین علی منتقص العارف محی الدین" تحریر فرمائی ہے۔  
 آپ شیخ جمال الدین یونس بن یحییٰ بن ابوالحسن القصار سے بیعت تھے اور وہ عموماً زماں السید محی الدین عبدالقادر الجیلانی سے بیعت تھے۔  
 قدس اللہ سرہارہم۔

علامہ نبہانی نے لکھا ہے کہ آپ جامع و مشرق کے زاویہ امام غزالی میں بیٹھا کرتے تھے اور وہاں ایک فقیہ، فقہ شافعی میں غزالی کی "کتاب لوسیط" پڑھایا کرتے تھے۔ ایک دن وہ فقیہ نہیں آئے۔ آپ تشریف فرما تھے۔  
 طالبانِ علم نے آپ سے خواہش ظاہر کی کہ آپ ان کو پڑھا دیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں مالکی مذہب ہوں۔ اچھا تم کتاب کھو لو۔ پھر آپ نے ان کو پڑھایا اور ایسی تقریر فرمائی کہ طالبانِ علم کہہ اُٹھے۔ ایسا سبق ہم نے آج تک نہیں سنا تھا۔ اس بیان سے ظاہر ہے کہ آپ امام مالک کے مذہب پر تھے۔ لیکن علامہ ابن حجر "لسان المیزان" میں لکھتے ہیں۔  
 "کان ظاہری المذہب فی العبادات و باطنی النظر فی الاعتقادات" یعنی عبادات میں وہ داؤد ظاہری کے مذہب پر تھے اور اعتقادات میں باطنی المذہب تھے۔ یعنی چشم بصیرت کے قبیح۔ قدس اللہ سرہ الا قدس۔  
 آپ کا اسم گرامی احمد۔ کنیت ابوالبرکات۔ لقب حضرت مجدد

بدرالدین۔ نسب فاروقی۔ وطن سرہند ہے اور آپ کی شہرت "امام ربانی مجدد القاتلانی" سے ہے۔

آپ کی ولادت شب جمعہ بعد از نصف شب ۱۲ شوال ۱۹۱۷ء  
 اور وفات روز سہ شنبہ بوقت اشراق ۲۸ صفر اور ایک قول سے  
 ۱ صفر اور دوسرے قول سے ۲۹ صفر ۱۹۰۳ء کو ہوئی۔ اور آپ  
 آپ کے فرزند اکبر حضرت محمد صادق کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ رحمہما  
 اللہ ورضی عنہما۔

آپ کے حالات خوب تفصیل کے ساتھ آپ کے خلیفہ خواجہ  
 محمد ہاشم کشمی اور دوسرے خلیفہ شیخ بدرالدین سرہندی نے لکھے ہیں۔  
 خواجہ ہاشم کی کتاب کا نام "برکات الاحمدیہ الیاقیہ" معروف بہ  
 "زیدۃ المقات" ہے۔ اور شیخ بدرالدین کی کتاب کا نام "حضرت  
 القدس" ہے۔ یہ دونوں کتابیں مستند اور قابل اعتماد ہیں۔ تیرھویں صدی  
 میں "عمدۃ المقامات" اور "جواہر علویہ" اور "مناقب احمدیہ  
 مقامات سعیدیہ" میں آپ کے حالات لکھے گئے ہیں۔ اس چودھویں  
 صدی میں بھی کافی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے قابل ذکر علامہ  
 احسان اللہ گورکھپوری کی کتاب "مجدد الف ثانی" اور جناب محمد منظور  
 نعمانی کی کتاب "تذکرہ مجدد" اور ڈاکٹر محمد اکرام کی کتاب "رود کوثر" ہے  
 ان کے علاوہ کافی کتابیں اور رسالے اور مقالات ہیں جن میں  
 آپ کے احوال کو بیان کیا گیا ہے۔ فجزاھم اللہ سبحانہ خیر الجزاء  
 یہ عاجز کہتا ہے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد  
 فرمایا ہے۔ مَثَلُ امَّتِي مَثَلُ الْمَطَرِ لَا يَدْرِي أَوَّلُهُ خَيْرٌ أَمْ آخِرُهُ

رواہ الترمذی، میری اُمت کی مثال بیٹھ کی مثال ہے۔ اور نہیں کہا جاسکتا کہ اُس کا پہلا حصہ خیر و برکت لئے ہوئے ہے یا کچھلا حصہ۔ یعنی اس خیر الاعم میں ایسے ایسے افراد ظاہر ہوتے رہیں گے جو آپ ہی اپنی مثل ہوں گے۔

زفرق تا بہ قوم ہر کجا کہ می نگر م : کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا این جا  
 آپ نے خوب تحقیق اور تہذیب کے ساتھ علمِ ظاہر حاصل کیا۔  
 آپ کے "رسائل سیدہ" اور مکتوباتِ شریفہ سے یہ حقیقت اچھی طرح روشن ہے۔ شیخ صغیر احمد پسر فضل اللہ پسر عبدالقادر پسر محمد بن پسر عبدالرزاق پسر مخدوم عبدالاحد۔ جو کہ حضرت محمد معصوم کے نواسے ہیں "مقاماتِ معصومی" معروف بہ برکاتِ معصومی میں لکھتے ہیں۔ کہ آپ کے تین جلد مکتوبات اور سات رسائل ہیں۔ رسائل کے نام یہ ہیں۔ مبداء و معاد۔ معارفِ لدنیہ۔ مکاشفاتِ غیبیہ۔ روشنیہ۔ اثباتِ نبوت۔ شرح رباعیات حضرت خواجہ بیرنگ۔ معروف بہ حضرت خواجہ باقی باللہ، رسالہ تہلیلیتہ۔ ان میں سے "مکاشفاتِ غیبیہ" کو حضرت خواجہ محمد معصوم نے اور "مبداء و معاد" کو خواجہ محمد صدیق بدخشی نے جمع کیا ہے۔ یعنی ان کا خطبہ انہوں نے لکھا ہے اور باقی رسائل از اول تا آخر آپ نے خود تحریر فرمائے ہیں رسالہ تہلیلیتہ اور اثباتِ نبوت عربی میں ہیں اور باقی کتابیں فارسی میں زبده المقامات میں تعلیقات عوارث۔ کا نام بھی لکھا ہے۔ یہ

رسالہ کبھی فارسی میں ہے۔

علم ظاہر حاصل کر کے آپ علم باطن کی طرف متوجہ ہوئے۔ اپنے  
حضرت والد مخدوم عبدالاحد سے طریقہ حقیقتیہ میں بیعت ہوئے۔ اور  
درجہ کمال حاصل کیا۔ آپ رسالہ مبداء و معاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس  
درویش کو دولت فردیت کی نسبت کہ عروجِ اخیراُسی سے مخصوص ہے اپنے  
پدر بزرگوار سے حاصل ہوئی ہے۔ اور شاہ سکندر سے آپ کو نسبت  
قادر یہ بہ تمام و کمال حاصل ہوئی۔

۱۷۔ میں آپ کے پدر بزرگوار رحلت فرمائے خلد بریں  
ہوئے۔ آپ کو مدت سے حج کا شوق تھا۔ چونکہ والد ماجد ضعیف تھے  
اس لئے اپنے شوق کو دباتے رہے۔ حضرت والد کے انتقال فرمانے  
کے بعد ۱۸۔ حج میں آپ بہ ارادہ حج سرہند شریف سے روانہ  
ہوئے۔ جب آپ دہلی پہنچے تو مولانا حسن کشمیری سے ملاقات ہوئی۔ یہ آپ  
کے دوست اور حضرت خواجہ باقی باللہ کے مخلصین میں سے تھے۔ انھوں  
نے آپ سے حضرت خواجہ کا ذکر کیا۔ چونکہ آپ پدر بزرگوار سے طریقہ  
نقشبندیہ کے فضائل سن چکے تھے۔ اس لئے مولانا حسن کی صحبت  
میں آستانہ عالیہ پر حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ آپ سے مل کر خوشتر  
ہوئے اور فرمایا۔ اگرچہ آپ ایک مبارک سفر کے ارادے سے روانہ  
ہوئے ہیں تاہم اگر آپ چند روز اس فقیر کے ساتھ رہ لیں تو بہتر ہے  
آپ نے امتثال امر کیا۔ اور ایک ہفتہ کی نیت سے حضرت خواجہ کے



پاس قیام کیا، ابھی دوپہی دن گزرے تھے کہ حضرت خواجہ کی نسبت اور کشش نے اپنا تنگ دکھایا۔ اور طریقہ نقش بند یہ میں آپ سے بیعت ہوئے۔ چونکہ آپ کی استعداد بہ درجہ اتم اور کامل تھی اس لئے مدارج عالیہ بہ سرعت تمام طے فرماتے گئے۔ انہی دنوں میں حضرت خواجہ نے اپنے ایک مخلص کو تحریر فرمایا۔ شیخ احمد نام کے ایک مرد کثیر العلم اور قوی العمل سر بہند کے رہنے والے پندرہ روز اس فقیر کی صحبت میں رہے۔ ان کے احوال میں بہت سے عجائب ان فقیر نے دیکھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک روشن چراغ ہونگے جس کے نور سے ساری کائنات منور ہو جائے گی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد حضرت خواجہ نے اپنے مریدوں کو آپ کے سپرد کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرجع عالم بنایا۔

آپ حج کے ارادہ سے روانہ ہوئے تھے۔ وہلی میں حضرت خواجہ کی صحبت ملی اور آپ منازل سلوک طے کرنے میں مصروف بنا ہو گئے۔ حجاز مقدس کا سفر رہ گیا۔ اس کے بعد آپ چھبیس سال بہ قید حیات رہے۔ لیکن حجاز مقدس نہ جاسکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی مالی حالت بہت کمزور تھی۔ آپ پر کبھی حج فرض نہیں ہوا۔ مسئلہ ہجری میں بھی از روئے توکل عازم حج ہو گئے تھے۔ حضرت خواجہ کی صحبت میں آپ پر ابواب کمالات کھلے۔ اپنے راہِ عزیمت اختیار کی اور رخصت کو رخصت کیا۔ چوں کہ آپ پر بہ وجہ

ادراہ نہ ہونے کے حج فرض نہ تھا۔ اور ایسی صورت میں حج کا قصد  
 رنا، تقویٰ کے خلاف تھا اس لئے پھر حج کا قصد نہ فرمایا۔ آپ نے  
 رشا و باری پر عمل کیا۔ کہ فَمِنْ فَرَضٍ فِيهِمَا الْحَجُّ فَلَا رَفَثَ وَلَا  
 نَسْوًا وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُ  
 زَكَرَاتُ ذُو الْقُرْبَانِ خَيْرٌ لِّزَادِ الْمُتَّقِيْنَ۔ یعنی جو حج کے قصد سے روانہ  
 ہو وہ لغویات اور فسق و جدال سے اپنے کو بچائے۔ اے عازمین حج  
 جو بھلائی اور نیکی تم کرو گے۔ اللہ اس کو جانتا ہے۔ اور تم زادِ راہ لے کر  
 سفر کرو۔ بہتر زادِ راہ تقویٰ ہے۔ اب جب کہ آپ عزیمت پر عامل  
 ہو گئے تھے۔ تقویٰ کے خلاف آپ کب عمل کر سکتے تھے۔ آپ نے  
 جان رہی منظور فرمائی اور سجدہ تعظیمی کرنے سے انکار کیا۔ کتاب  
 حضرات القدس کے "حضرت سابعہ" میں ہے کہ شہزادہ خورم و شاہ جمال  
 نے علامی فہامی افضل خاں اور خواجہ عبدالرحمن مفتی کو فقہ کی کتابوں  
 کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا تاکہ آپ سجدہ تعظیمی کریں۔ آپ  
 نے بہر دو علمائے سے فرمایا: "ابن رخصت است، عزیمت  
 آن است کہ غیر حق را سجدہ نہ کند۔" یعنی آپ حضرات جو مسئلہ  
 بیان کر رہے ہیں وہ رخصت کا درجہ رکھتا ہے۔ عزیمت یہی ہے  
 کہ اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہ کیا جائے۔

"زبدۃ المقامات" کی فصل ششم میں ہے کہ ایک دن آپ

نے مولانا صالح خٹلانی سے فرمایا۔ کہ تحصیل میں سے چند دانے کالی

مرح کے لائیں، انہوں نے چھڑے داتے پیش کئے۔ آپ نے از روئے  
 عتاب فرمایا: ایک صوفی ما آن قدر نہ شنیدہ کہ اللہ و تریحبت  
 الوتر۔ رعایت و تراز مستحبات است، مستحب را مردم چہ دانستہ اند  
 مستحب و دوست داشته اوست سبحانہ و تعالیٰ۔ اگر دنیا و آخرت را  
 یہ یک عملے کہ دوست داشته حق عزوجل باشد بدہند، ہیچ نہ داوہ  
 باشند۔ ذرا دیکھو ہمارے صوفی کو، انہوں نے یہ کبھی نہیں سنا ہے  
 کہ اللہ طاق ہے اور طاق کو لپٹ کر تا ہے۔ طاق کی رعایت مستحبات  
 میں سے ہے۔ مستحب کے متعلق لوگ کیا خیال کرتے ہیں۔ مستحب تو  
 اللہ تعالیٰ پسندیدہ فعل ہے۔ اگر ایسا ایسے فعل کے لئے جو اللہ کا  
 پسند کردہ ہو، دنیا اور آخرت بھی دیدیں تو کچھ کبھی نہیں دیا ہے۔  
 انیر بادشاہ کی بے راہ روی کے سہ باب کے لئے حضرت  
 خواجہ باقی باللہ نے حضرت خواجہ آخرا کے طریقہ کو استعمال کرنا  
 شروع کیا تھا۔ امرار اور وزیر راہ کو راہ راست پر لانے کی سعی  
 فرماتے تھے، یہ کام بھی آپ کے سپرد ہوا اور آپ نے بہت خوبی  
 کے ساتھ اس کام کو پورا کیا۔

جاہل صوفیوں نے طریقت اور حقیقت کو شریعت سے  
 بلند مقام دے رکھا تھا۔ آپ نے ایسے افراد کی تردید کرتے  
 ہوئے صاف طور پر فرمایا۔ کہ "طریقت و حقیقت خادمان  
 شریعت اند" یعنی طریقت اور حقیقت شریعت کے خادم

ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ شریعت کے احکام سے قلب کو پورا تعلق ہو جائے۔ بجائے تکلیف کے راحت محسوس ہو اور **الْمَزِيَّاتِ لِلَّذِينَ آمَنُوا** اَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ۔ ان کا مقصد حیات ہو۔ یعنی۔ کیا ایمان والوں کے لئے وقت نہیں آیا ہے کہ اللہ کی یاد کے وقت ان کے دل میں خشوع پیدا ہو۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ لوگ ریاضتوں اور مجاہدوں کی ہوس کرتے ہیں۔ حالانکہ نماز کے آداب کو صحیح طور پر بجالانے کی برابری کوئی ریاضت اور مجاہدہ نہیں کر سکتا (زبدہ) اور دفتر اول کے مکتوب ۵۲ میں لکھتے ہیں۔ خواہشاتِ نفسانیہ کے دور کرنے کے واسطے شرائع کا ورد ہوا ہے۔ شریعت کے تقاضوں پر جتنا بھی عمل کیا جائے گا اسی قدر نفسانی خواہشات رو بزوال ہوں گی۔ لہذا نفسانی خواہش کے ازالہ کے لئے شریعت کے ایک حکم پر عمل کرنا، ایک ہزار سال کی ان ریاضتوں اور مجاہدوں سے بڑھ کر بے پروا بنی خواہش سے کی جائیں۔ اور آپ دفتر اول کے مکتوب ۲۶ میں لکھتے ہیں۔ اکثر افراد کو اس حقیقت کا علم نہیں ہے اور وہ فرض کو خراب کر کے نفل کی ترویج میں کوشش کرتے ہیں۔ اور خام صوفی افراد ذکر و فکر کو بہت اہم سمجھتے ہوئے فرائض اور سنن کے بجالانے میں مسابقت اور کوتاہی کر جاتے ہیں۔ وہ چلیوں اور ریاضتوں کو اختیار کر کے جمعہ اور جماعات کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ ایک فرض کو جماعت سے ادا کرنا، ان

کے ہزار چلتوں سے بہتر ہے۔ ہاں وہ ذکر و فکر بہتر اور اہم ہے۔ جو آدابِ شریعت کی مراعات کے ساتھ کیا جائے۔ اسی طرح نتائج سے بے خبر علماء و کھجی نوافل کی ترویج میں کوشش کرتے ہیں۔ اور فرائض اُدھورے اور ناقص رہ جاتے ہیں۔

حضرت شیخ اکبر قدس سرہ نے "مسئلہ وحدت وجود" کو اس کی حقیقت کی بنا پر علمی پیرایہ میں بیان فرمایا۔ اور اس سلسلہ میں جو کچھ ان پر منکشف ہوا۔ اس کا اظہار کیا۔ خام صوفیوں نے ان کے الفاظ لے لئے اور غلط راہ پر پڑ گئے۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے اس سلسلہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ وہ اس رسالے کے ذیلی حاشیوں میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ آپ نے سعی بلیغ فرمائی ہے کہ مسلمانوں کو اس مہلکہ سے نجات دلائیں۔ آپ نے شریعتِ مطہرہ اور طریقہ حضراتِ صوفیہ کی جو خدمت کی ہے نہایت عظیم الشان ہے۔ اور اس کے سزاوار ہیں۔ کہ آپ کو "امام ربانی مجدد الف ثانی" کے لقب سے یاد کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس لقب کو مقبولِ خلائق کر دیا ہے۔ اور یہ اس بات پر دلیل ہے۔ کہ آپ "از گروہ اولیائے لاتخاف" ہیں۔ آپ نے مسائل میں اکابر سے اور بالخصوص حضرت شیخ اکبر سے اختلافات کئے ہیں۔ لیکن ایک جگہ بھی اَدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ کے دائرہ سے باہر قدم نہیں رکھا ہے۔

آپ حضرت شیخ کے بعض اقوال کا رد فرما رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی تحریر فرماتے ہیں کہ وہ جماعت مقبولین میں سے نظر آتے ہیں، وہ متقدمین کے لئے برہان اور متاخرین کے لئے حجت ہیں۔ اور حضرت شیخ پر طعن کرنے والے صواب سے دور ہیں۔ آپ کا عمل صاف طور پر بتا رہا ہے کہ یہ موجب حدیث شریف "من احب الله والبعض لله واعطى الله ومنع الله فقد استكمل الايمان" کا مل الايمان افراد میں سے ہیں۔ بزرگانِ دین کا احترام اور ان کے اقوال کی توجہ سن کرتے ہیں۔ آپ کے رسائل اور مکتوبات کے مطالعہ سے اخلاص اور درد نہاں کا پتہ بہ خوبی چلتا ہے۔ مکتوبات کے دفتر سوم کے جامع خواجہ محمد ہاشم رحمہ اللہ نے بہت ٹھیک کہا ہے۔

زہر یکا نقطہ اش چون نا فترت شمیم وصلِ جاناں می زندر  
 جنواہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء

فافاض علينا من بركاته وأسراة وعرفانه  
 آپ کے مختصر حالات "تذکرہ علمائے فرنگی محل" از مولوی  
 بحر العلوم | عنایت اللہ فرنگی محلی اور "نزہۃ الخواطر" از مولانا حکیم  
 سید عبدالحی لکھنوی سے لکھے جاتے ہیں۔

آپ کا اسم گرامی عبد العلی کنیت ابوالعیاش خطاب ملک العلماء  
 اور لقب بحر العلوم ہے۔ آپ کی ولادت ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۹ء) کو  
 لکھنؤ میں ہوئی۔ اور وفات ۱۲۷۲ھ (۱۸۵۷ء) رجب ۲۲۵ھ (۱۳ اگست ۱۸۵۷ء)

کو ہوئی۔ مدراس میں "مسجد والا جاہی" کے احاطہ میں مدفون ہوئے۔  
 قمری حساب سے تراسی (۸۳) سال اور شمسی حساب سے اکیاسی سال  
 کی عمر ہوئی۔

آپ کے پدر بزرگوار استاذ الہند علامہ نظام الدین محمد فرزند ملا  
 قطب الدین انصاری سہالوی ہیں۔ جو کہ اپنے زمانہ کے ایک فرد  
 کامل ہیں۔ عربی کا جو نصاب انھوں نے مقرر کیا وہ درس نظامی  
 کہلاتا ہے۔ یہ نصاب ہندوستان اور افغانستان میں اب تک  
 رائج ہے۔

آپ اپنے والد ماجد کے خیر خلف تھے اٹھارویں سال کتب  
 درسیہ سے فارغ ہوئے اور اسی سال آپ کے والد نے آپ کا  
 نکاح کر دیا۔ تھوڑے دنوں بعد وہ رحلت کر گئے اور آپ اپنے والد  
 کے نامور شاگرد ملا کمال کی خدمت میں کچھ عرصہ حاضر ہو کر اپنی استعداد  
 میں اضافہ کرتے رہے۔ پھر آپ نے اپنے والد کی مستد سنبھالی اور  
 پڑھانے کا سلسلہ شروع کرویا۔ آپ کی علمیت کا چرچا ہوا اور  
 چہار اطراف سے شائقین علوم آپ کے پاس پہنچنے لگے۔ ایک  
 مدت تک یہ چشمہ رفیض و ہدایت لکھنؤ میں بہتا رہا۔ سو اتفاق سے  
 وہاں اہل سنت اور اثنا عشریہ کے مابین فساد ہو گیا اور آپ کو  
 مجبوراً اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ اہل و عیال اور رفیقار کی ایک بٹری جماعت  
 کو لے کر شاہجہاں پور تشریف لے گئے۔ وہاں کے سرکردہ لوگ آپ

حافظ المدک نے آپ کا استقبال کیا۔ اور آپ کے اخراجات کے منکفل ہوئے۔ آپ نے وہاں بیس سال قیام فرمایا۔ حافظ الملک کی شہادت کے بعد آپ رامپور آ گئے۔ نواب فیض اللہ خاں والی رام پور نے چار سال آپ کی خدمت کی سعادت حاصل کی۔ پھر آپ صدر الدین خاں سرگودہ بوجہ رضلع بروان کی استدعا پر ان کے پاس چلے گئے۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کیا۔ یہاں سے نواب لاجپور محرم علی خاں کی خواہش پر مدراس تشریف لے گئے۔ اور آخر دم تک وہاں مقیم رہے۔

آپ جہاں بھی گئے طالبانِ علوم کی ایک بہت بڑی جماعت آپ کے ساتھ ہوتی تھی۔ اور تالیف و تدریس کا سلسلہ قائم رہتا تھا۔ آپ کے آخری میزبان نواب کرناٹک نے ادب و احترام کا جو طریقہ پہلے دن آپ کے ساتھ مرئی رکھا تھا وہ آخر تک قائم رہا۔ انھوں نے آپ کو "ملک العلماء" کا خطاب دیا۔

صاحب تذکرہ نے "بحر العلوم" کے لقب کی یہ وجہ لکھی ہے کہ جب حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے آپ کی کتاب "ارکان اربعہ" مطالعہ فرمائی۔ جو کہ فن فقہ میں ہے تو آپ کو بحر العلوم کے خطاب سے یاد فرمایا مگر چہ ملک العلماء کا خطاب ایک تخت نشین والی کا عطا کردہ ہے۔ اور بحر العلوم کا خطاب ایک بوریہ نشین والی کا ارشاد ہے۔ لیکن جو مقبولیت والی کے ارشاد کو ہوئی وہ والی کے خطاب کو



نہ ہوئی۔ ۵

گفتہ اور گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود  
 آپ کی تالیفات کثیر ہیں۔ صاحب تذکرہ نے انیس کتابوں  
 کے نام لکھے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ ان کے علاوہ اور کبھی ہیں۔ آپ کی  
 تمام تالیفات علمی ہیں اور ادق مسائل پر مشتمل ہیں۔ آپ ان مایہ ناز  
 ہستیوں میں سے ایک فرد کامل ہیں۔ جن پر ہندوستان کو بجا طور پر  
 فخر کرنا چاہیے۔ ۵

کرد خدمت دین را ایمان را      علم را اسلام را عرفان را  
 رحمت حق با او پیوستہ برو      تا تعلق جسم دارد جان را



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پاک ہے وہ ذات جو ہر طرح کے نقصان اور بندش سے برتر ہے۔ اور وہ ہر اس توہم سے جو کائنات میں تحدید کا پایا جاتا ہے، بالاتر ہے۔ وہ اپنے ہر جلوہ گاہ میں محمود اور ہر عبادت گاہ میں معبود ہے۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ اس کے سوائی کوئی الٰہ نہیں۔ اور اس کے منظر اتم محمدؐ اس کے رسول اور اس کے بندے ہیں۔ اللہ کی خاص رحمتیں اور اس کا سلام اُن پر اور ان کی سب آل اور ازواج اور اہل بیت اور اصحاب پر ہو۔ بعد از حمد و صلوات۔

اللہ کی رحمت کا طالب عبد العلیٰ پسروا قف اسرار الہیہ نظام الدین محمد انصاری عرض کرتا ہے کہ میں نے "وحدة الوجود" و شہود الحق فی کل موجود" نام کا رسالہ عربی میں لکھا تھا۔ اس میں اُن چھ تنزلات و مراتب کا بیان ہے۔ جن میں اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ کا ظہور ہوا ہے۔ اور اللہ کے برگزیدہ بندے اُن مراتب کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس رسالہ میں صوفیہ کرام اور اولیائے عظام کا مسلک بیان کیا ہے۔

اب مجھ سے میرا امر اور نواب والا جاہ انور الدین خان بہادر نے  
 فرمائش کی کہ میں اس مسئلہ کو فارسی میں بھی بیان کروں۔ چونکہ ان  
 کے فرمان کو ٹالا نہیں جاسکتا۔ اس لئے یہ رسالہ فارسی میں لکھ رہا  
 ہوں۔ اے میرے پروردگار تو اس رسالہ کو بہر مبتدی کے لئے  
 تبصرہ اور بہر منتہی طالب کے لئے تذکرہ بنا۔  
**وجود** | وجود سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وجود اس کی

۱۰ حضرت مجدد و فتر اول کے مکتوب ۲۳۲ میں لکھتے ہیں: میرے فرزند  
 اعز کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت وجود صرف اور خالص ہے۔ کوئی  
 دوسرا امر اس میں طاہر نہیں ہے۔ اسی کا وجود ہر خیر و کمال کا منشأ اور  
 ہر حسن و جمال کا مبداء ہے۔ وہ حقیقی طور پر جزئی اور بسیط ہے۔ کسی طرح  
 کی گنجائش اس کے مرکب ہونے کی قطعاً نہیں ہے۔ نہ خیال میں اور نہ ظاہر  
 میں۔ وہ اپنی حقیقت کی بنا پر ممنوع التصور ہے۔ یعنی اس کا تصور نہیں  
 کیا جاسکتا۔ وجود کا حمل اس کی ذات پر از روئے موافات ہے۔ نہ  
 از روئے اشتقاق۔ اگرچہ اس مقام میں یعنی مقام غیب الغیب میں  
 اس حمل کے لئے بھی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مقام اور مرتبہ ہر طرح کی  
 نسبت سے بالاتر ہے۔ اس مقام میں ہر نسبت ساقط ہے۔ اور جو وجود  
 کماہم اور مشترک ہے وہ اس خاص وجود تعالیٰ و تقدس کے ظلال میں سے  
 ہے۔ اور یہ ظل ذات تعالیٰ و تقدس پہ اور اشیا پر از روئے اشتقاق

حقیقت کا عین ہے۔ اور یہ وجود مصدری وجود نہیں ہے۔ کیونکہ مصدری وجود ایک انتزاعی امر ہے جس کے معنی "ہونا" کے ہیں۔ ایسے انتزاعی مفہوم سے اللہ تعالیٰ بالا و برتر ہے۔ بلکہ وجود سے

(لغیہ حاشیہ ص ۲۷ کے بعد)

محمول ہے، نہ از روئے مواطات۔ اور اس نحل سے مراد حضرت وجود کا مرتبہ تنزلات میں ظہور ہے۔ اس نحل کے افراد میں سے وہ فرد اولیٰ و اقدم و اشرف ہے جو از روئے اشتقاق ذات پر محمول ہے۔ لہذا اصالت کے مرتبہ میں کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وجود ہے۔ اور نہیں کہا جاسکتا کہ اللہ موجود ہے۔ اور نحل کے مرتبہ میں اللہ موجود ہے کہنا درست ہے اور اللہ وجود ہے کہنا درست نہیں۔ الخ اور آپ نے دفتر سوم کے مکتوب ۱۲۲ میں لکھا ہے۔ "اس فقیر نے اپنے وسائل میں تحقیق کی ہے کہ اللہ اپنی ذات سے موجود ہے نہ وجود سے، اور اس کی آٹھ صفیتیں بھی اس کی ذات سے موجود ہیں نہ وجود سے۔ مرتبہ غیب الغیب میں وجوب کے لئے گنجائش نہیں ہے چہ جائے وجود۔ وجوب اور وجود از قسم اعتبارات ہیں۔ ایجاد عالم کے لئے جو پہلا اعتبار ظاہر ہوا ہے، وہ اعتبار حُب ہے۔ اس کے بعد وجود کا اعتبار ہے جو کہ ایجاد عالم کا مقدمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو بغیر اعتبار حُب اور اعتبار وجود کے عالم سے اور ایجاد عالم سے استغناء، اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ نص قطعی ہے۔ یعنی جہان والوں سے اللہ یقیناً بے نیاز ہے۔

مراد وہ حقیقت ہے جو مصدری وجود کا مصداق ہے۔ اور جو نفس وجود ہے۔ وہ اپنے مرتبہ ذات میں کثرت سے پاک ہے۔

**ماسوی اللہ** | اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے وہ عالم شیونات  
و تعینات ہے۔ تمام شیونات اور تعینات  
اس کے مظاہر ہیں اور وہ ان میں ظاہر اور ساری ہے۔ اس کی

۵۲ قولہ مصداق ہے۔ ای ما بہ الوجود بلکہ وہ خود نفس وجود ہے۔ جیسا کہ دوسری اشیا ربیاض اور سواد کے محتاج ہیں یعنی سفید اور سیاہ ہونے میں (لیکن خود بیاض اور سواد۔ بیاضیت اور سوادیت کے لئے کسی دوسری شے کے محتاج نہیں ہیں۔ بلکہ وہ خود اپنی ذات سے ہیں۔ یہ وجود اپنی ذات سے موجودیت کے لئے کافی ہے۔ یعنی دوسرے وجود کا محتاج نہیں ہے۔ اھ۔ وجود مصدری بہ اعتبار معنی کے اس کو کہتے ہیں۔ کہ درحقیقت اس کا وجود نہ ہو۔ بلکہ عقل نے اس کو نکالا۔ اھ (خود مؤلف کا حاشیہ ہے)

۵۳ شیونات جمع الجمع کا صیغہ ہے۔ اس کا مفرد شان ہے اور شیون اس کی جمع ہے۔ شان کے معنی حال اور امر کے ہیں۔ حضرات صوفیہ نے شان کی تعبیر کیا کی ہے۔ اس کا بیان حضرت مجدد رسالہ معارف لدنیہ کی معرفت ۲۰ میں اس طرح کرتے ہیں۔

”اللہ کی شیونات اس کی ذات کی فرع ہیں اور اس کی صفات شیونات پر متفرع ہیں۔ اور اس کے اسماء جیسے خالق و رازق صفات پر

سرامیت وہ نہیں جس کے .....

(فقیدہ حاشیہ ص ۲۹ کے بعد)

متفرع ہیں۔ اور اس کے افعال اسما پر متفرع ہیں اور تمام موجودات افعال کے نتائج اور ان پر متفرع ہیں۔ واللہ اعلم۔

اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ شیون الگ ہیں اور صفات الگ ہیں۔

خارج میں شیون عین ذات ہیں۔ اور صفات زائد بر ذات ہیں۔ اس فرق

کا جس کو علم نہیں ہے وہ سمجھ بیٹھا ہے کہ شیون ہی صفات ہیں اور صفات عین

ذات ہیں جس طرح یہ کہ خارج میں شیون عین ذات ہیں۔ اس قول سے

صفات کا اور اہل حق کے اجماع کا انکار لازم آتا ہے۔ اہل حق کے نزدیک

صفات کا وجود خارج میں زائد بر ذات ہے۔ واللہ بحق الحق وھو

یھدی السبیل۔ انتہی

اور آپ مکتوب ۲۸۷ دفتر اول میں تحریر فرماتے ہیں:

”صفات اور شیونات میں بڑا فرق ہے جو کہ بجز اولیائے محمدی المشربا

سے بعض افراد کے کسی پر ظاہر نہیں ہوتا۔ اور خیال نہیں کیا جاتا کہ اس سلسلہ

میں کسی نے لب کثالی کی ہو۔ مختصر طور پر اس کا بیان یہ ہے کہ صفات

یہ وجود زائد بر ذات تعالیٰ و تقدس خارج میں موجود ہیں اور شیونات

ذات مقدسہ میں صرف اعتبارات ہیں۔ (خاص میں ان کا وجود نہیں ہے)

اور آپ نے چند سطر کے بعد لکھا ہے۔ شیونات اور صفات میں دوسرا

فرق یہ ہے کہ شیونات کا مقام صاحب شان کا مواجہہ ہے اور صفات

کا۔ مقام نہیں ہے۔ الخ

مُلَوّی قائل ہیں یا جس کا بیان اتحادی کرتے ہیں۔ بلکہ یہ سر بیان مثل  
س سر بیان کے ہے جو کہ گنتی کے اعداد میں ایک کی ہے گنتی کے  
نام اعداد بجز اکائیوں کے اور کچھ نہیں۔ عالم میں ایک ہی عین یعنی ایک  
ی ذات کا ظہور ہے۔ کثرت میں وہی ظاہر ہے۔ اپنی ذات سے کثرت  
وجود نہیں ہے۔ اللہ کی پاک ذات کے وجود سے اس کا ظہور ہوا  
ہے۔ اللہ ہی کی ذات اس کثرت میں ظاہر ہے۔ اللہ ہی اول ہے،  
اللہ ہی آخر ہے، اللہ ہی ظاہر ہے، اللہ ہی باطن ہے۔ اللہ ان کے  
مریک بنانے سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود  
ہے۔ وہ ہر قید سے آزاد ہے  
اللہ کا منزرہ اور مشبہ ہونا  
لمہ آزاد کی بندش سے بھی منزرہ ہے۔ وہ اپنی ذات کے مرتبہ میں نہ کلی  
نہ جزئی، اور نہ وحدت زائدہ سے واحد ہے۔ اور نہ اوصافِ عالیہ  
کے کوئی وصف زائد ہے۔ وہ ہر طرح کی بندش اور قید سے پاک ہے

۵۔ ملوئی یعنی ایک کی دوسرے میں ایسی سرایت کہ ایک کی طرف اشارہ  
بغیر دوسرے کی طرف اشارہ ہو۔ اور اشارہ میں امتیاز باقی نہ رہے۔ یا  
چیزوں کا باہم ایسا خصوصی تعلق کہ جس کی وجہ سے ایک قبوع اور دوسرا  
بع ہو جائے۔

۵۔ اتحاد یعنی دو اشیاء کا ایسا متراج کہ وہ ایک ہو جائیں۔

وہ اپنی ذات کے مرتبہ میں اس معنی سے واحد ہے۔ کہ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کے تعینات اور شیونات کا نام عالم ہے۔ وہ مرتبہ ذات میں منزہ ہے اور اپنے شیونات اور مظاہر کو نیہ میں مشبہ ہے اس طرح اس کے دو کمال ہیں۔ ایک ذاتی کمال ہے اور دوسرا اسمائی و صفائی کمال ہے۔

اللہ کا ذاتی کمال | اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے کامل اور واجب الوجود بلکہ عین وجود ہے، وہ اپنی ذات سے اپنے پاس حاضر ہے۔ وہ اپنے کمال ذاتی میں عالم سے غنی اور بے نیاز ہے۔

اللہ کا اسمائی و صفائی کمال | اللہ کی ذات اپنے اسماء اور صفات سے متصف ہے

یعنی صفات ذاتیہ اور صفات افعالیہ اور صفات انفعالیہ سے۔ جب ذات کسی صفت سے متصف ہوتی ہے تو اس کو اسم کہتے ہیں اللہ کی ذات اپنی صفات سے اسی وقت متصف ہوگی جب اعیان کا ثبوت ہوگا۔ جب تک معلوم کا وجود نہ ہو، علم کا ظہور

---

۱۵ اعیان جمع عین کی ہے۔ حضرت شیخ اکبر ہر شے کی اصل اور حقیقت اللہ تعالیٰ کے علم کو قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے علم میں جس شے کی تخلیق کا ظہور ہوا۔ وہی علمی ظہور اس کا اصل ہے اور وہ عین ثابتہ چونکہ اللہ کا علم ازلی وابدی ہے، اعیان بھی ازلی وابدی ہیں۔ اس سلسلہ پر



کس طرح ہو سکتا ہے۔ اسی طرح بغیر مقدر کے قدرت ظاہر نہیں ہو سکتی۔ یہی کیفیت تمام اوصاف کی ہے کہ جب تک ان کے محامل کا

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲ کے بعد)

حضرت مجدد دفتر سوم کے مکتوب ۱۲۲ میں لکھتے ہیں :-

”تعجب ہے کہ شیخ قدس سرہ حقیقتِ محمدی اور تمام کائنات کے حقائق کو ایمان ثابتہ کہتے ہیں۔ وہ کائنات کے حقائق کے لئے وجوب کا حکم کہاں سے لے آئے اور کس بنا پر ان کو قدیم سمجھ لیا ہے۔ جناب شیخ ارشاداتِ نبویہ کے خلاف کا التزام کر رہے ہیں۔ ممکن اپنے اجزا سے ممکن ہے، اپنی صورت سے ممکن ہے، اپنی حقیقت سے ممکن ہے۔ ممکن کی حقیقت کے لئے تعین و جوبی کس بنا پر ہو سکتا ہے؟ ممکن کو ممکن ہی ہونا چاہیے۔ ممکن کو واجب سے کوئی اشتراک نہیں ہے۔ صرف یہ نسبت ہے کہ ممکن واجبِ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اور واجبِ تعالیٰ اس کا خالق ہے۔ واجب اور ممکن میں جناب شیخ تمیز نہیں کر سکے ہیں۔ وہ خود کہتے ہیں۔ لِحَدَمِ التَّمْيِيزِ بَيْنَهُمَا۔ اس وجہ سے اگر وہ واجب کو ممکن اور ممکن کو واجب کہیں تو کوئی بات نہیں۔ اگر ان کو مخدور رکھا جائے تو کمالِ کرم ہے۔ رَبَّنَا لَا تَوَاخِذْنَا اِنْ نَسِينَا اَوْ اَخْطَاْنَا۔ اور آپ نے دفتر اول کے مکتوب ۲۰۹ میں لکھا ہے۔ ”جان لینا چاہیے کہ کسی کی حقیقت سے مراد وہ تعین و جوبی ہے کہ اس کا نکل اس شخص کا

وجود نہ ہو، ان کا ظہور نہیں ہو سکتا پہلے اعیان کا صوف علمی ثبوت ہوا۔  
یہی علمی ثبوت عین کہلاتا ہے۔ اس علمی ثبوت نے اللہ کو علم کی صفت

### ربقیہ حاشیدہ ص ۳۳ کے بعد

تعیین امکانی ہے۔ وہ تعین وجودی اسماء الہیہ میں سے ایک اسم ہے۔  
جیسے علیم۔ قدریر۔ مرید۔ متکلم۔ و امثالہا۔ وہی اسم انہی اس شخص کا ربا ہے  
اور اس کے فیوض وجودی اور توابع وجودی کا مبداء ہے۔  
اور آپ نے دفتر سوم کے مکتوب ۱۲۲ میں لکھا ہے: "اس قسم کے  
علوم کہ جن میں واجب تعالیٰ اور ممکن کے مابین نسبت کا بیان کیا جاتا ہے  
اور شریعت میں ان کا ثبوت وارد نہیں ہے۔ معارفِ سکر یہ ہیں۔ اور  
حقیقتِ معاملہ تک نہ پہنچنے کا باعث ہیں۔ بھلا ممکن کیا شے ہے۔ جو  
واجب کا ظل بنے۔ واجب تعالیٰ کا ظل کیونکر ہو سکتا ہے ظل سے تولید  
مثل کا دواہمہ ہوتا ہے اور کمالِ لطافت کے نہونے سے آگاہ کرتا ہے۔  
جبکہ اللہ کے رسول محمدؐ کا ظل بہ وجہ کمالِ لطافت کے نہ تھا تو محمدؐ کے  
خدا کا ظل کیسے ہو سکتا ہے۔"

اور آپ نے ظل کا بیان دفتر سوم کے مکتوب ۸۹ میں یہ کیا ہے۔  
"ظل سے مراد دوسرے، تیسرے مرتبہ میں ظہور ہے۔ آئینہ میں ظاہر  
ہونے والی صورت ظل ہے۔ یہ دوسرے مرتبہ میں ظہور ہے۔ ظاہر ہونے  
والے کی ذات اپنے اصل پر ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی ہے۔  
یہ حضرت مجددِ قدس سرہ دفتر دوم کے پہلے مکتوب میں لکھتے ہیں:-"

سے متصف کر دیا۔ کیونکہ علم معلوم کے تابع ہے۔ جب اعیان کا اپنے استعدادات کے ساتھ ثبوت ہوا، اللہ کا علم ان سے متعلق ہوا۔

(تفسیر حاشیہ صفحہ ۳۲ کے بعد)

اکثر صوفیہ اور خاص کر متاخرین ممکن کو عین واجب سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور ممکن کے صفات و افعال کو واجب تعالیٰ کے افعال و صفات کا عین سمجھ لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ (قابل مولانا جامی ہیں)

ہمسایہ و ہم نشین و ہمراہ دست در لوق گدا و اطللس شہر ہمراہ دست  
 در انجمن فریق و نہسان خانہ جمع یافتہ ہمراہ دست

ان افراد نے اگرچہ غیر کو وجود میں شریک کرنے سے اپنے کو بچا یا ہے اور دونی سے اجتناب کیا ہے۔ لیکن غیر وجود کو وجود سمجھ لیا ہے۔ اور نقائص کو کمالات سمجھ بیٹھے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کسی شئی میں ذاتی قیامت اور شرارت نہیں ہے۔ جو کچھ ہے صرف نسبتی اور اضافی ہے۔ انسان کے لئے اگر زہر ہلاہل میں ہلاکت ہے تو اس حیوان کے لئے جس میں یہ زہر پیدا ہوتا ہے۔ آب حیات اور تریاق ہے۔ ان افراد کا اس بحث میں کشف و شہود پر مدار ہے۔ جتنا ان پر ظاہر کیا گیا اس کو انہوں نے سمجھا۔ اے اللہ! تو ہم پر اشیاء کے حقائق پوری طرح ظاہر فرما۔ اس فقیر پر جو کچھ ظاہر کیا گیا ہے تفصیل کے ساتھ اس کو بیان کرتا ہے۔ پہلے شیخ محی الدین بن العربی کا مسلک بیان کیا جاتا ہے جو کہ متاخرین صوفیہ کے امام اور

اس تعلق نے اللہ تعالیٰ کو عالم بنایا۔ اسی طرح پہلے اعیان مقدر ہوئے، مراد ہوئے اور پھر اللہ تعالیٰ قادر اور مرید ہوا۔ یہی

دلیقہ عاشیہ کے صفحہ گذشتہ) مقتدا ہیں اور پھر اس کا بیان آئے گا۔ جو کہ اس فقیر پر یکشوف ہوا ہے۔ تاکہ دونوں مسائل کا فرق پوری طرح ظاہر ہو جائے۔ اور ایک دوسرے میں مسائل کا خلط نہ ہو۔ شیخ محمد بن محمد اور ان کے اتباع کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات اس کی ذات ہیں۔ اور اسماء و صفات آپس میں بھی ایک دوسری کی عین ہیں مثلاً علم اور قدرت جس طرح یہ دونوں عین ذات باری ہیں آپس میں بھی یہ دونوں ایک دوسری کی عین ہیں۔ اس مقام (غیب الخیب) میں کسی نام اور کسی طریقہ سے تعدد اور تکثر اور تمایز و تباین نہیں ہے۔ غایتہ ما فی الباب ان اسماء اور صفات اور شیون اور اعتبارات نے علم الہی میں تمایز اور تباین اجمالاً اور تفصیلاً پیدا کیا۔ اجمالی تمایز کو تعین اول اور تفصیلی تمایز کو تعین دوم کہتے ہیں۔ تعین اول کا نام "وحدت" رکھا ہے۔ اور اس کو حقیقت محمدی سمجھتے ہیں۔ اور تعین دوم کو "واحدیت" کہتے ہیں۔ اور اس کو تمام ممکنات کی حقیقت سمجھتے ہیں۔ اور حقائق ممکنات کو اعیان ثابتہ کہتے ہیں۔ ان دونوں علمی تعینات کے لئے جو کہ وحدت اور واحدیت ہیں۔ مرتبہ و وجوب ثابت کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اعیان کو خارج کی ہوا تک نہیں لگی ہے۔ خارج میں بجز احدیت

کیفیت تمام صفات کی ہے۔ لہذا اسمانی اور صفاتی کمالات کے اظہار کے لئے اعیان سے غنا اور بے نیازی نہیں ہے۔

دبقیہ حاشیہ ۷۷ صفحہ گذشتہ) مجردہ کے اور کچھ نہیں ہے۔ جو کچھ خارج میں نظر آتا ہے۔ وہ اعیانِ ثابتہ کا عکس ہے۔ آئینہ وجود کے ظاہر میں یہ عکس نمودار ہوا ہے اور اس عکس نے تخیلی وجود پیدا کر لیا ہے۔ جیسا کہ آئینہ میں کسی کا عکس ظاہر ہوتا ہے اور وہ تخیلی ہوتا ہے۔ آئینہ میں کسی شے کا حلول نہیں ہوا کرتا۔ اور نہ اس پر کچھ منقش ہوتا ہے۔ اگر نقش ہے تو وہ صرف تخیل میں ہے۔ یہ بزرگواران کہتے ہیں۔ چونکہ یہ تخیل اور یہ توہم، صنع باری جلّ شانہ ہے۔ لہذا اس میں اتقان تام ہے۔ ایسا کامل اتقان کہ وہم اور تخیل کے ہٹ جانے پر بھی زائل نہیں ہوتا۔ اور اس پر ثواب و عذابِ ابدی مرتب ہوتا ہے۔

خارج میں جو کثرت نظر آتی ہے وہ تین قسم پر ہے۔ تعینِ روحی۔ تعینِ مثالی۔ تعینِ جسیدی۔ تعینِ روحی کا تعلق عالم شہادت سے ہے۔ ان تینوں تعینات کو تعیناتِ خارجیہ کہتے ہیں۔ اور ان کا اثبات مرتبہ امکان میں کرتے ہیں۔ پہلے دو علمی تعینات اور یہ تین خارجی تعینات پانچ تنزلات ہیں اور ان کو پانچ حضرات بھی کہتے ہیں۔

چونکہ ان افراد کے نزدیک علم میں اور خارج میں صرف اللہ ہی کی ذات اور اُس کے اسماء و صفات کا وجود ہے۔ اور اسماء و صفات بھی

اللہ تعالیٰ کے نام بغیر کسی مظہر کے ظاہر نہیں ہوتے وہ مبارک نام چاہے تنزیہی ہوں چاہے تشبیہی۔ اب جیسا کہ اسما و منطہر

ربقیہ حاشیہ ۷ صفحہ گذشتہ) ان کے نزدیک عین ذات واجب تعالیٰ ہیں۔ اور انھوں نے علمی صورتوں اور شکلوں کو صاحب علم جل شانہ کی عین صورت سمجھ لیا ہے۔ نہ اس کی پرچھائیں یا مثال۔ اور پھر اعیان ثابتہ کا آئینہ ظاہر میں جو نمود اور ظہور ہوا ہے۔ عین اعیان تصور کر لیا ہے۔ نہ اس کی شبیہ یا مثال۔ لہذا انا چار اتحاد کا حکم کر دیا۔ اور "ہمہ اوسرت" کے قائل ہو گئے۔ یعنی سب کچھ وہی ہے۔ مسئلہ وحدت الوجود میں مختصر طور پر شیخ اکبر کا مسابک بیان ہوا۔ یہ اور اس کے امثال وہ علوم ہیں جن کو جناب شیخ "خاتم الولايت" سے مخصوص سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ان علوم کو "خاتم النبوة" خاتم الولايت سے اخذ کرتے ہیں۔ اور اس قول کی توجیہ میں نصوص کے شرح تکلفات سے کام لیتے ہیں۔ قصہ مختصر اس جماعت میں شیخ سے پہلے ان علوم اور اسرار میں کسی نے زبان نہ کھولی تھی۔ اور اس بات کو اس طریقہ سے کسی نے بیان نہیں کیا تھا۔ اگرچہ متقدمین کی زبان پر سکھ اور مدہوشی کی حالت میں توحید اور اتحاد کے الفاظ جاری ہوئے تھے۔ کسی نے اَنَا الْحَقُّ اور کسی نے سُبْحَانِي کہا۔ لیکن کسی کو اتحاد کی وجہ معلوم نہ ہو سکی اور توحید کے منشا کو کوئی نہ سمجھا۔ لہذا

پر موقوف ہوئے اور بغیر منظرِ ہر کے اُن کا کمال متصوّر ہی نہیں ہو سکتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اعیانِ عالم کو موجود کیا تاکہ وہ اعیان

(بقیہ حاشیہ کے صفحہ گزشتہ) شیخ اس جماعت کے متقدمین کے لئے برہان اور متناظرین کے لئے حجت ہیں۔ باوجود اس کے بہت سے دقائق اس مسئلہ میں پوشیدہ رہ گئے ہیں۔ اور بہت سے سرلیبتہ اصرار منظر پر نہیں آئے ہیں۔ اور فقیر کو اُن کے اظہار کی توفیق ملی ہے اور فقیر اُن کے بیان کرنے پر مامور ہوا ہے۔ وَاللّٰهُ بِحُجَّتِ الْحَقِّ وَهُوَ يَمْدِي لَتَبْيِيْلٍ مَّخْدُومًا۔ اہل حق کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی آٹھ صفات خارج میں موجود ہیں۔ لہذا وہ خارج میں حضرت ذات سے متمیز ہیں۔ اُن کی تمیز بے چون و بے چگون ہے۔ اور یہ صفات بھی ایک دوسرے سے متمیز یہ تمیز بے چون و بے چگون ہیں۔ یہ تمیز بے چونی و بے چگونی، حضرت ذات میں بھی ثابت ہے۔ لَأَفْهَامُ الْوَاسِعِ بِالْوَسْعِ الْمَجْمُولِ الْكَيْفِيَّةِ۔ وہ جَلِّ وَعَلَّا مجہول الکیفیت پر حاوی ہے۔ ہمارے فہم و ادراک کی تمیز اس جناب سے مسلوب ہے۔ وہاں تبعض و تجزی کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور نہ وہاں تحلیل و ترکیب کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ وہاں خَالِيَّةٌ اور تَحْلِيَّتٌ مفقود ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ممکن کے اعراض و صفات اُس جناب قدس سے مسلوب ہیں۔ وہ اپنی ذات، اپنی صفات اور اپنے افعال میں لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ہے۔

اس کے مظاہر ہوں اور اس کے اسماء کا کمال پوری طرح ظاہر ہو۔  
اللہ تعالیٰ اپنے ذاتی کمال میں قطعاً غنی ہے۔ لیکن اسمائی

رہیقہ حاشیہ کے صفحہ گذشتہ) باوجود اس تمیز بے چونی اور وسعت بے کیفی کے اس کے اسماء و صفات خازنہ علم واجبی میں تفصیل اور تمایز پیدا کر کے منعکس ہوئے۔

ہر اسم اور صفت متمیزہ کا مرتبہ عدم میں ایک مقابل اور نقیض ہے عدم میں علم کا مقابل عدم علم ہے جس کو جہل کہتے ہیں۔ اور قدرت کا عدم قدرت ہے جس کو عجز کہتے ہیں۔ یہی کیفیت تمام صفات کی ہے۔ ان مقابلاتِ عدمیہ نے بھی علم واجبی میں تفصیل اور تمیز پیدا کی ہے اور وہ اپنے متقابل اسماء و صفات کے لئے آئینے بنے۔ اسماء و صفاتِ واجبی کا ان پر عکس پڑا۔ اس فقیر کے نزدیک عدمی آئینوں پر جو عکس پڑا ہے وہ حقائقِ ممکنات ہیں۔ عدومات بمنزلہ اصل اور مواد کے ہیں اور اسماء و صفات کا عکس بمنزلہ صور حالہ۔ شیخ محی الدین کے نزدیک اسماء و صفات متمیزہ ہی ممکنات کے حقائق ہیں۔ اور فقیر کے نزدیک ممکنات کے حقائق وہ عدومات ہیں جو اسماء و صفات کے نقائص ہیں۔ البتہ ان عدومات کے ساتھ اسماء و صفات کے وہ ظلال بھی شامل ہیں جو آئینہ عدومات میں ظاہر ہوئے ہیں۔ قادرِ مختار جب چاہتا ہے۔ کہ موجود خارجی کا ظہور ہو تو وہ اس ماہیتِ عدمی



کمال کے مرتبہ میں عالم کے وجودِ خارجی سے غنی نہیں ہے۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں :-

در بقیہ حاشیہ کے صفحہ گذشتہ) سے جو کہ اسماء و صفات کے نطل سے متمزج ہے اس کا مبدا بنا دیتا ہے۔ اسماء و صفات کا جو نطل ہے وہ حضرت وجود تعالیٰ و تقدس کا پیر تو ہے۔ لہذا ممکن کا وجود کیا علم میں اور کیا خارج میں حضرت وجود کا پیر تو ہے۔ اور ممکن کے صفات حضرت وجود کے کمالات کے پیر تو ہیں۔ ممکن کا علم، علم الہی کا پیر تو ہے۔ علم الہی اپنے مقابل میں منعکس ہوا ہے۔ اسی طرح ممکن کے تمام صفات اور اس کا وجود۔ صفات الہیہ اور حضرت واجب الوجود کا پیر تو ہیں۔ جو کہ مراتبِ عدم پر ظاہر ہوئے ہیں۔

نیا در دم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست  
 لہذا فقیر کے نزدیک نہ ممکن عین واجب اور نہ ممکن اور واجب میں  
 حمل ثابت ہے، کیونکہ ممکن کی حقیقت عدم ہے۔ اور جو عکس اسماء و صفات  
 کا اس ممکن پر پڑا ہے وہ اسماء و صفات کا شبہ اور مثال ہے۔  
 عین اسماء و صفات نہیں ہے۔ اس صورت میں ہمہ از دست " کا قول  
 یعنی سب کچھ وہی ہے۔ کہتا درست نہیں۔ بلکہ " ہمہ از دست " کا  
 قول درست ہے۔ یعنی سب کچھ اسی سے ہے۔ جو کچھ ممکن کا ذاتی ہے وہ  
 عدم ہے۔ جو کہ شرارت اور نقص اور خباثت کا متشاہ ہے۔ اور جو کچھ اس

پرتو معشوق گرفتار عاشق کہ چہ شد  
 مابد و محتاج بود ہم ادبہ مشتاق بود  
 یعنی اگر معشوق کا سایا اور پرتو عاشق پر پڑ گیا تو کیا بات ہوئی

دلیقیہ حاشیہ کے صفحہ گذشتہ میں از قسم کمالات ہے وہ حضرت واجب  
 جل شانہ سے مستفاد ہے اور اس کے کمالات کا پرتو ہے۔ وہ ہی جل  
 شانہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے علاوہ سب ظلمت ہے۔  
 اور اس کا ماسویٰ کیونکہ ظلمت نہ ہو جبکہ عدم فوق انظلمات ہے۔

اس بحث کی پوری تحقیق اس مکتوب میں ہے جو میرے فرزند <sup>عظم</sup>  
 مرحوم کے نام ہے۔ اس خط میں حقیقت دہود اور ماہیات ممکنہ کی  
 تحقیق کی گئی ہے۔ اس کو طلب فرمائیں الخ

آپ نے جس خط کا حوالہ دیا ہے وہ دفتر اول کا مکتوب ۲۲۲  
 ہے۔ آپ نے اس میں تحریر فرمایا ہے۔

اے فرزند ستر غما مض سن لو۔ مرتبہ ذات میں یعنی مرتبہ رغیب الغیب  
 میں کمالات ذاتیہ عین حضرت ذات ہیں۔ اس مرتبہ میں صفت علم  
 عین ذات ہے۔ اور یہی کیفیت قدرت و ارادت اور باقی صفات کی ہے  
 اس مرتبہ میں اس کی ذات ہی علم و قدرت و دیگر صفات ہے۔ یہ صورت نہیں  
 ہے۔ کہ ذات مقدسہ کا کچھ حصہ علم ہے۔ اور کچھ کچھ دیگر صفات۔ اس مرتبہ  
 میں تجزی کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ کمالات گویا کہ حضرت ذات  
 سے نکلے ہیں۔ اور مرتبہ علم میں انھوں نے تمیز اور تفصیل حاصل کر لی ہے

ہم اس کے محتاج تھے اور وہ ہمارا مشتاق تھا۔ یہ بیان اس حدیث قدسی سے ثابت ہے۔ کنت کنزاً مخفیاً فأجببت ان

(بقیہ حاشیہ کے صفحہ گذشتہ) ذات پاک اسی اجمالی اور وحدانی صفت پر باقی ہے۔ یہ مرتبہ اجمال ہے۔ اس کے بعد مرتبہ تفصیل ہے۔ اس مرتبہ میں ہر شے متمیز ہو جاتی ہے۔ وہ تمام کمالات جو عین ذات تھے مرتبہ تفصیل میں آگئے۔ یہ تفصیل بھی صرف مرتبہ علم میں ہے۔ ان کمالات مفصلہ نے ظلی وجود حاصل کیا۔ اور ان کا نام صفات ہوا۔ ان صفات کا قیام حضرت ذات سے ہے جو کہ ان کی اصل ہے۔ صاحب فصوص کے نزدیک یہی کمالات مفصلہ اعیان ثابتہ ہیں۔ جن کا وجود صرف علی ہے۔ اور اس فقیر کے نزدیک حقائق ممکنات وہ عدوات ہیں جو کہ ماواے شر و نقص ہیں۔ مع ان کمالات کے جو ان میں منعکس ہوئے ہیں۔ الخ

آپ نے مکتوب سابق میں اپنے اور شیخ اکبر کے مسلک کے فرق کو اس طرح واضح کیا ہے کہ آپ کے نزدیک عالم خارج میں وجود ظلی کے ساتھ موجود ہے۔ جس طرح پر کہ وجود اصلی کے ساتھ اللہ تعالیٰ خارج میں موجود ہے۔ خارجی عالم اس کے وجود خارجی کا ظل ہے۔ لہذا عالم کو عین حق نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ظل شخص عین شخص نہیں۔ جناب شیخ کے نزدیک ظل کا ثبوت صرف وہم اور خیال میں ہے ان کے نزدیک

اعرف فخلق الخلق۔ میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ میں پہچان لیا جاؤں۔ لہذا خلق کو میں نے پیدا کیا تاکہ میرا ظہور ہو۔

(بقیہ حاشیہ ۷ صفحہ گذشتہ) ظل کو خارج کی ہوا تک نہیں لگی ہر خارج میں صرف اَ حِدِثِ حَجْرَدہ کا وجود تسلیم کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک صفاتِ ثانیہ کا وجود بھی صرف خانہ علم میں ہے۔ خارج میں نہیں ہے۔ وہ کثرتِ مومومہ کو وحدتِ موجودہ کا ظل قرار دیتے ہیں اور چوں کہ وہ ظل کا اثبات خارج میں نہیں کرتے اس لئے وہ ظل کو اصل پر حمل کرتے ہیں۔ علماء اہل سنت نے صفاتِ ثانیہ کا اور ممکن کا اثبات خارج میں کیا ہے۔ جناب شیخ اور علماء نے میانہ روی کے طرفین کو لیا ہے۔

میانہ روی کا واسطہ اس فقیر کو ملا ہے۔ اگر جناب شیخ خارج میں وجودِ اصلی کا ظل پالیتے تو عالم کے وجود خارجی سے انکار نہ کرتے۔ اور اگر علماء اس بھید اور سر سے آگاہ ہو جاتے تو خارج میں ممکن کا وجود اصلی نہ ثابت کرتے۔ الخ

یہ عاجز کہتا ہے کہ حضرت مجددِ قدس پترہ فرماتے ہیں۔ کہ وجود اللہ کی ذات ہے اور وہ نور ہے۔ اَللّٰهُ كُوْدُ سُرِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اس کا سوا عدم ہے۔ اور وہ ظلمت ہے۔ بلکہ فوق الظلمات ہے۔ یہ عدم، ممکنات کی اصل ہے۔ عدی آئینہ پر اسماء و صفاتِ واجبی کا عکس پڑا۔ اور وہ حقائقِ ممکنات ہوئے۔ عدمات

اور مخلوقات منظر ہو میرا اور میرے اسماء کا۔  
اس حدیث کی سند کو اگرچہ محدثین نے ضعیف بتایا ہے۔ لیکن

بقیہ حاشیہ کے صفحہ گذشتہ) بہ منزلہ اصل اور مواد کے ہیں اور اسماء و صفات کا عکس صور حالہ ہیں۔ ممکن کا ذاتی عدم ہے اور وہ ظلمت اور نقصان ہے۔ اور جو کچھ اس میں از قسم کمال ہے وہ اسماء و صفات کا پرتو ہے۔ مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ۔ یعنی جو بھلائی تم کو پہنچی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس کے اسماء و صفات کی تجلیات کے آثار سے ہے۔ اور جو بُرائی تم کو پہنچی ہے وہ تمہارے اپنے نفس کی طرف سے ہے۔ وہ عدمی مرآت کا اثر ہے۔ ترمذی نے اپنی جامع کے باب افتراق ہذہ الأمتہ میں جو کہ ابواب العلم سے پہلا باب ہے۔ یہ حدیث شریف عبداللہ بن عمرو سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ ان اللہ تبارک و تعالیٰ خلق خلقاً فی ظلمة۔ فالقی علیہم من نور کا فمن اصابہ ذلک النور اھتدی ومن اخطأ ضلّ فلنک قول جفا المقلم علی علم اللہ۔ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو ظلمت میں پیدا کیا۔ پھر ان پر اپنا نور ڈالا۔ جس پر اس نور میں سے کچھ نور پڑا اس نے ہدایت پائی اور جس پر نور نہیں پڑا گمراہ ہوا۔ الخ حضرت

اصحاب کشف کے نزدیک صحیح ہے۔ کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی صحت اپنے کشف کے ذریعہ معلوم کر لی ہے۔

اس بیان سے یہ بات ثابت ہوئی کہ حضرت واجب تعالیٰ و تقدس کی حقیقت وجود مطلق ہے اور ممکنات کے حقائق اس کے خیونات اور تعینات ہیں لہذا واجب تعالیٰ ممکن نہیں ہو سکتا۔ اور ممکن واجب نہیں ہو سکتا۔ حضرت واجب کا وجود۔ وجود مطلق ہے۔ اور وجود مطلق کے واسطے واجب لازم ہے اور ممکن متعین ہے اور متعین کے لئے امکان ہے۔ یہ بات قطعی طور پر محال ہے کہ مطلق اس طرح پر متعین ہو جائے کہ مغایرت باقی نہ رہے اور اس کا اطلاق باطل ہو جائے۔ اور یہ بھی یقیناً محال ہے کہ متعین عین مطلق ہو جائے۔ لَبِّطْلَانِ الشَّغَائِرِ متعین سے اصلاً تعین زائل نہیں ہوتا ہے۔ اگرچہ دیکھنے میں اس کا زائل ہونا ثابت ہوتا ہو۔

رَبْقِیۃ حَاشِیۃ (صفحہ گذشتہ) مجد و قدس سرہ پر جو مکشوف ہوا ہے حدیث شریف میں بھی وہی ہے۔ اور آیت شریفہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اگر ممکن کی حقیقت صرف ظل اسماء و صفات واجبہ ہو تو پھر من نفسیک سے کونسی شے مراد ہے۔ مرآت عدمیہ پر جن اسماء و صفات واجبہ کا ظل پڑا ان سے وہ بہرہ مند ہوا۔ قلم نے اس کا بیان کر دیا ہے۔ یعنی لوح محفوظ میں۔

سالک جب فتانی اللہ ہوتا ہے اس وقت اس کو اپنا تعین نظر نہیں آتا وہ اپنے تعین سے غافل ہوتا ہے۔ یہ غفلت اس کے استغراق اور فنایت کا اثر ہے ورنہ وہ تعین اپنی جگہ پر موجود ہے۔ اور یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے ذاتی کمال میں غنی ہے۔ اور اسمانی کمال میں غنی نہیں ہے۔

۱۰ حضرت مجدد و فخر اول کہ مکتوب ۲۶۶ میں لکھتے ہیں: اللہ غنی مطلق ہے۔ وہ اپنی ذات سے اپنی صفات سے، اپنے افعال سے غنی ہے۔ وہ کسی امر میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔ وہ جس طرح پر اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔ اپنے ظہور میں بھی کسی کا محتاج نہیں ہے لیکن صدیقیہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسمانی اور صفاتی کمالات کے لئے ہمارا محتاج ہے۔ اس فقیر پر یہ بات نہایت شاق گزرتی ہے۔ یہ فقیر تو یہ سمجھتا ہے کہ آفرینش اور پیدائش کا سبب خلق کو کمالات سے سرفراز کرنا ہے۔ نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی کمال حاصل ہو آیت شریفہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِي۔ اے لایعنی فون سے اس کلام کی تائید ہوتی ہے یعنی میں نے جن وانس کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ ان کو میری معرفت حاصل ہو اور وہ کمال کے مرتبہ پر پہنچیں۔ نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی کمال حاصل ہو۔ حدیث قدسی فخالقت الخلق لا عرف کا بھی یہی مطلب ہے۔ کہ میں نے خلق کو

## اللہ کا منترہ اور مشتبہ ہونا | بیان سابق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مرتبہ

رفیقہ حاشیہ ۷۷ صفر گذشتہ) پیدا کیا تاکہ میری معرفت حاصل کی جائے۔ مخلوق مجھ کو پہچان لے نہ یہ کہ خلق کی وجہ سے مجھ کو کمال حاصل ہو۔ تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیراً۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت ہی بلند و بالا ہے! الخ اور آپ نے دفتر دوم کے مکتوب ۹۸ میں لکھا ہے۔

” اللہ کا وجود ہر خیر و کمال کا مبدا اور ہر حسن و جمال کا منشا ہے۔ اس کا مقابل عدم ہے، جو کہ ہر شر و نقص کا مبدا اور ہر قبح و فساد کا منشا ہے۔ جو بھی کوئی دبا ہے۔ اسی سے ہے اور جو بھی کوئی ضلال ہے اسی سے ہے۔ باوجود ان خرابیوں کے اس میں خوبیاں کھی ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے وجود کو وجود مطلق کے مقابلہ میں نیست و نابود قرار دیتا ہے۔ اور یہ اس کی خوبیوں میں سے ہے۔ اور اسی طرح اپنے کو وجود مطلق کی پناہ میں سپرد کرنا اور شر و نقص کو اپنے پر لینا۔ اس کے اچھے ہنروں میں سے ہے۔ اور اپنے وجود کو آئینہ بنانا اور اس میں وجود مطلق کے کمالات کو بیرون از خانہ علم دیکھنا اور ان کو ایک دوسرے سے ممتاز کرنا اور اجمال سے تفصیل میں لانا بھی اس کے اچھے اوصاف میں سے ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت وجود کی خدمت گاری عدم کے وجود



ذات میں منزہ اور اپنے مظاہر میں مشبہ ہے۔ وہ پاک پروردگار جامع تنزیہ و تشبیہ ہے۔ نہ ایسا خالص منزہ ہے کہ اوصاف تشبیہ کے قابل نہ رہے جیسا کہ متکلمین میں سے اشعر یہ کہتے ہیں۔ کیونکہ ایسی تنزیہ درحقیقت تفسید ہے، اور وہ نہ ایسا خالص مشبہ ہے جس کے قائل مجسمہ ہیں۔ کیونکہ ایسی تشبیہ درحقیقت تحدید ہے۔ اللہ تعالیٰ بہر تفسید و تحدید سے پاک ہے۔ وہ عین تنزیہ میں اپنے مظاہر سے مشبہ ہے اور عین تشبیہ میں منزہ ہے۔ کیونکہ اعیان ہالک ہیں اور موجود صرف وہی ہے۔ لہذا وہ کس چیز سے مشبہ ہوا۔

قرآن مجید میں ایسی نصوص جو  
 اشعر یہ تاویلات کرتے ہیں | تشبیہ پر وال ہیں، بیشتر ہیں  
 بہ نسبت ان نصوص کے جو تنزیہ پر وال ہیں۔ اشعر یہ ان تمام  
 نصوص کی تاویل کرتے ہیں جو تشبیہ پر وال ہیں۔ شیخ اکبر محی الدین  
 ابن عربی فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کی وہ مثال ہے جو بعض پر ایمان

راقبہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے ہے۔ حضرت وجود کا حسن و جمال و کمال اس  
 کے قبح و شر و نقص سے ظاہر ہے۔ اُس کا استغناء اس کے افتقار سے اُس  
 کی عزت، اُس کی دلت سے۔ اُس کی عظمت و کبریائی، اُس کی خساست  
 و نارت سے۔ اُس کی شرافت، اُس کی رذالت سے۔ اُس کی خواجگی، اُس کی  
 بندگی سے ظاہر ہے۔

منم کا استاد را استاد کردم : غلامم خواجہ را آزاد کردم

لاتے اور بعض کی تکفیر کرتے ہیں۔ اشعر یہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو تشبیہ کے اوصاف سے متصف کرنے کو عقل محال سمجھتی ہے اور نصوص تشبیہ کی تاویل کرنے کے لئے عقل قرینہ ہے۔

ان کے جواب میں شیخ اکبر کہتے ہیں کہ عقل تو یہ بھی کہتی ہے۔ کہ معجزات کی دلالت کی وجہ سے انبیاء و رسل علیہم السلام کی نبوت اور رسالت ثابت ہے اور وہ اپنے قول اور بیان میں صادق ہیں، جو کچھ انھوں نے بیان کیا ہے وہ درست ہے۔ ان حضرات نے ہم کو صفات تشبیہ سے آگاہ کیا ہے۔ اب جب کہ عقل مَا جَاءَ بِهِ الرَّسُولُ کو درست تسلیم کرتی ہے اور ان کے لائے ہوئے احکام کو صحیح مانتی ہے تو پھر تشبیہی نصوص کے احکام سے عقل کا انکار کرنا کیا معنی رکھتا ہے اب اگر عقل انکار کرے تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ از غلط عقل ہے اور ایسی عقل پر بھروسہ کرنا ٹھیک نہیں۔

تنزیہ اور تشبیہ کے متعلق شیخ اکبر  
تنزیہ اور تشبیہ کا بیان | قدس سرہ فرماتے ہیں۔

فَإِنْ قُلْتَ يَا تَنْزِيهِيهِ كُنْتَ مُقَيِّدًا  
وَإِنْ قُلْتَ يَا تَشْبِيهِيهِ كُنْتَ مُحَدِّدًا

۹۵ تنزیہ اور تشبیہ کے متعلق حضرت مجدد قدس سرہ رسالہ "معارف لدنیہ" میں تحریر فرماتے ہیں۔  
ربانی حاشیہ ۹۵ صفحہ ۷۱ پر

اگر تم تنزیہ خالص کے قائل ہوئے تو تم نے اللہ کو غیب میں مقید کر دیا اور تم اس کے ظہور کا انکار کرتے ہو، حالانکہ پاک پروردگار

دبقیہ حاشیہ ۵۹ صفحہ گذشتہ) (ساتویں معرفت) وہ تشبیہ جس کا انکشاف تنزیہ کے انکشاف کے بعد ہوا کرتا ہے۔ وہ درحقیقت اس کی عین ثابتہ کا انکشاف ہے یعنی اسما و صفات کے اُن ظلال کا انکشاف ہوا ہے جو اس کی حقیقتِ عدمیہ پر پڑے ہیں اور اس کے ساتھ متمزج ہو کر اس کا مبدأ ہوا ہے) اور وہ تشبیہ جو تنزیہ کے ساتھ جمع ہوتی ہے۔ وہ یہی تشبیہ ہے جو تنزیہ کے بعد منکشف ہوتی ہے اور یہ از مرتبہ جمع ہے۔ اور وہ تشبیہ جس کا انکشاف تنزیہ کے ظہور سے پہلے ہوتا ہے۔ وہ از مرتبہ فرق ہے اور وہ تنزیہ کے ظہور کے وقت محو اور غائب ہو جاتی ہے۔ وہ تنزیہ کے ساتھ جمع ہونے کی تاب نہیں رکھتی اور تشبیہ و تنزیہ کے جمع کا مطلب یہ ہے کہ ادراک بسیدط کا متعلق تنزیہ ہے۔ وہ ادراک جب پردہ صفاتِ الہیہ میں تنزل کرتا ہے اور اس کی عین ثابتہ اس پر مشتمل ہوتی ہے۔ تو وہ تشبیہ ہو کر اس کے علم میں آتی ہے اور اس وقت ادراک مرکب ہو جاتا ہے۔ اور یہ مقام جمع بین تشبیہ و تنزیہ، مقام تکمیل ہے۔ کیونکہ صرف تنزیہ والا اپنے مدرکہ میں احضار ذات سے قاصر ہے۔ اس لئے کہ ذات کا علم پردہ صفاتِ الہیہ ہی میں ہوا کرتا ہے اور پردہ صفاتِ الہیہ عین ثابتہ پر مشتمل ہے اور اس پر عین ثابتہ کا انکشاف نہیں ہوا ہے۔ لہذا جس شخص کو مطلوب کا

خود کو ظاہر فرما رہا ہے۔ اور اگر تم صرف تشبیہ کے قائل ہو گئے کہ اللہ کا جسم ہے اور وہ مشبہ ہے تو تم نے اللہ تعالیٰ کے لئے حد مقرر کر دی۔

وبقیہ عاشیہ ۹ صفحہ گذشتہ (علم نہ ہو۔ وہ اس کے متعلق کیا خبر دے سکتا ہے اور وہ مطلوب حقیقی کو صفات کونیہ کے پردوں میں نہیں سمجھ سکتا۔ کیونکہ وہ اس کا آئینہ نہیں بنا ہے۔ عطیات شاہی کے لئے شاہی سواریاں ہی درکار ہیں۔

"اللہ کا فعل اور اس کی صفت مثل اس کی ذات کے یگانہ ہے۔ اس میں کثرت کی گنجائش قطعاً نہیں ہے۔ غایتہ مافی الالباب یہ بات ہے کہ جس طرح پر اس کی ذات مقدسہ نے امور کثیرہ سے تمایز و تعلق پیدا کیا ہے۔ اس کے فعل اور صفت نے بھی تعلق پیدا کیا ہے۔ کیونکہ خارج میں وہ علین ذات ہیں۔ جس طرح پر اس کی ذات مقدسہ بوجہ اس تعلق کے جو اشیاار متعددہ سے اس کو ہوا ہے۔ ذات متعددہ ظاہر ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کا فعل اور اس کی صفت بوجہ تعلقات متعددہ کثیر ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ کا فعل ازل سے ابد تک ایک فعل ہے۔ وَمَا أَهْرَنَّا إِلَّا وَاحِدًا ۖ كَلِمَةً بِالْبَصَرِ۔ ہمارا کام تو یہی ایک دم کی بات ہے۔ جیسے نگاہ کی نپک۔ چونکہ اس کا متعلق اشیاائے متعددہ ہیں۔ اس لئے وہ متعدد ظاہر ہوتی ہے۔ اور جس طرح پر اس کی ذات تمام اضداد کی جامع ہے۔ اس کا فعل بھی جامع اضداد ہے۔ اس کا فعل ایک ہی ہے۔

حالات کہ اس کے لئے کوئی حد نہیں ہے۔

وَإِنْ قُلْتِ بِالْأَمْرِ كُنْتِ مُسْتَدْرَاةً وَكُنْتِ إِمَامًا فِي الْمَعَارِفِ سَيِّدَا

بقیہ حاشیہ ۱۹ صفحہ گذشتہ) لیکن ایک جگہ زندہ کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور دوسری جگہ مارنے کی صورت میں۔ اسی فعل کو ایک جگہ انعام اور اکرام کہتے ہیں اور دوسری جگہ ایلام اور انتقام کہتے ہیں۔ یہی کیفیت صفت کلام کی ہے۔ وہ ازل سے ابد تک ایک ہی کلام سے متکلم ہے۔ وہ گونگا اور نہ بول سکنے والا نہیں ہے۔ اس کا وہی ایک کلام مختلف محلات پر۔ الفاظ مختلفہ اور کلمات متباینہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کسی مقام پر امر کہلاتا ہے اور کسی جگہ پر نہی۔ اور کبھی اسم ہوتا ہے اور کبھی حرف۔ اور یہی کیفیت اس کے تمام صفات کی ہے۔

اور آپ نے مکتوبات کے دفتر اول کے مکتوب ۲۷۲ میں لکھا ہے "بعض

جامعان تنزیہ اور تشبیہ کہتے ہیں کہ تنزیہ پر ہر مومن کو ایمان حاصل ہے۔ عارف وہ شخص ہے جو تنزیہ کے ساتھ تشبیہ کو بھی جمع کرے اور مخلوقات کو خالق کا ظہور سمجھے۔ کثرت کو وحدت کا لباس جانے اور مصنوعات میں صانع کا مطالعہ کرے اور اس کو دیکھے۔ خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ ان افراد کے نزدیک خالص تنزیہ کی طرف متوجہ ہونا نقص ہے اور وحدت کو بلا ملاحظہ کثرت دیکھنا عیب ہے۔ یہ افراد ان لوگوں کو جو اُخْدِیْتِ صِرْفَہ کی طرف متوجہ ہیں ناقص کہتے ہیں۔ اور کثرت کے بغیر وحدت کے مطالعہ کو تحدید اور

اور اگر تم دونوں امر کے قائل ہوئے اور تم نے اللہ تعالیٰ کو عین  
تنزیہ میں مشبہ اور عین تشبیہ میں منترہ جانا تو تم اللہ تعالیٰ کی

ربقیہ جاشید ۵۹ صفحہ گذشتہ (تقیید خیال کرتے ہیں۔ سُبْحَانَ اللَّهِ  
وَبِحَمْدِهِ۔ تمام انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی دعوت خالص تنزیہ  
کی طرف ہے۔ آسمانی کتابوں میں تنزیہی ایمان کا بیان ہے۔ انبیاء علیہم السلام  
آفاقی اور انفسی باطل خداؤں کی نفی کرتے ہیں اور ان کو باطل سمجھنے اور کہنے  
کی دعوت دیتے ہیں۔ کیا تم نے کبھی سنا ہے کہ کسی پیغمبر نے ایمان بہ تشبیہ کی  
دعوت دی ہو۔ اور خلق کو خالق کا ظہور کہا ہو۔ تمام انبیاء واجب الوجود تعالیٰ  
و تقدس کے کلمہ توحید میں متفق ہیں اور اس کے سوا تمام آرباب کی نفی کرتے ہیں  
اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ  
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا  
نُتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا  
اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ رکھ دو، اسے کتاب والو ایک بات کی  
طرف آؤ۔ جو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے کہ ہم بندگی نہ  
کریں مگر اللہ کی، اور اس کا شریک کسی چیز کو نہ ٹھیرائیں۔ اور آپس میں ایک  
دوسرے کو اللہ کے سوا اپنا رب نہ بنائیں۔ پھر اگر اہل کتاب اس بات  
کو قبول نہ کریں تو ان سے کہ دو۔ تم گواہ رہو کہ ہم فرمان کے تابع اور اس  
کو تسلیم کرتے ہیں۔ اھ۔

معرفت میں صحیح راستہ پر ہوا اور تم معارف الہیہ میں سردار ہو۔

فَمَنْ قَالَ بِالْإِشْفَاعِ كَانَ مُشْرِكًا وَمَنْ قَالَ بِالْأَفْرَادِ كَانَ مُوَحَّدًا

جو دُؤ وجود کا قائل ہو کہ ایک اللہ کا وجود ہے اور ایک ممکن کا،

تو وہ شرک کر رہا ہے۔ اور اس کا یہ شرک، شرک خفی ہے۔ اور جو شخص

صرف ایک وجود کا قائل ہو اور اس نے کہا کہ وجود صرف اللہ ہی کا ہے،

اس کے سوا جو کچھ ہے وہ اس کے مظاہر ہیں اور مظاہر کی کثرت اس کی

وحدت کے منافی نہیں تو یہ شخص موحد ہے۔

فَأَيُّكَ وَالتَّشْبِيهِ إِنَّ كُنْتَ ثَانِيًا وَإِيَّاكَ وَالتَّنْزِيهِ إِنَّ كُنْتَ مُفْرَدًا

بچا اپنے کو تشبیہ سے اگر تم اپنے وجود کو دوسرا وجود سمجھتے ہو،

یعنی ایسی تشبیہ کے قائل نہ ہو کہ ایک وجود حق کا سمجھو اور دوسرا وجود

اپنا سمجھو، جو حق کے وجود سے الگ ہو۔ بلکہ وہ مظاہر ہیں تشبیہ کے

قائل بنو اور بچا اپنے کو تنزیہ سے۔ اگر تم تنزیہ کو تشبیہ سے

مفرد کر رہے ہو۔ یعنی ایسی تنزیہ کے قائل نہ ہو جو خالص تنزیہ ہو۔

اور اس کے ساتھ تشبیہ نہ ہو۔ تم کو چاہیے کہ عین تنزیہ میں تشبیہ

کے اور عین تشبیہ میں تنزیہ کے قائل ہو۔

فَمَا أَنْتَ هُوَ بَلْ أَنْتَ هُوَ تَرَاهُ فِي عَيْنِ الْأُمُورِ مَسْرُوحًا وَمُقَيَّدًا

تم حق کے عین نہیں ہو کیونکہ حق تعالیٰ وجود مطلق ہے اور تم مقید

اور متعین ہو۔ اور متعین کسی طرح بھی عین مطلق نہیں ہو سکتا۔ ہاں

تم اپنی حقیقت سے عین حق ہو۔ حق تعالیٰ تم میں متعین ہوا ہے۔

تم اللہ کو عین موجودات میں تعین کی قید سے آزاد اور تعین کی قید سے مقید پارہے ہو یعنی اللہ تعالیٰ کو متعین میں ظاہر دیکھو رہے ہو۔ لا موجود ولا الہ الا اللہ۔ اللہ کے سوا نہ کوئی موجود ہے۔ اور نہ کوئی معبود ہے۔

مثنوی | مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ فرماتے ہیں ۵  
 نامصوّر یا مصوّر گفتنت باطل آمد بے ز صورت رستنت  
 نامصوّر یا مصوّر پیش است کو ہمہ مغز است و بیرون شد ز پوست  
 یعنی اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کرتے ہوئے تمہارا صرف نامصوّر اور بے صورت کہہ دینا باطل قول ہے۔ اور تنزیہ محبوب ہے۔ اور تشبیہ کرتے ہوئے مصوّر اور با صورت کہہ دینا بھی باطل قول ہے۔ اور یہ تشبیہ محبوب ہے۔ جب تک صورت سے خلاصی نہ ہو، نامصوّر یا بے صورت کہہ دینے سے حقیقی تنزیہ حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ نقییدات اور تشبیہ بہ مجرّات ہے کہ اللہ مکان سے مجرّد ہے اور اپنے وجود میں اجسام سے بائن اور مختلف ہے اور اسی طرح مصوّر اور با صورت کہہ دینے سے تشبیہ حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ وجود کی تقیید ہے اور شہم کا تعین ہے اور یہ باطل ہے۔ نامصوّر اور مصوّر یعنی منزہ اور مشبہ اس شخص سے کہا جائے گا جو کہ اپنے پوست سے نکل کر تمامہ مغز ہو کر رہ گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ میں فانی ہو کر باقی باللہ ہو گیا اور اس پر تمام امور کے حقائق ظاہر ہو گئے ہیں۔



ایسا شخص عین تشبیہ میں تنزیہ اور عین تنزیہ میں تشبیہ کرتا ہے جیسا کہ  
ابیات سابقہ میں بیان کیا جا چکا ہے۔ ۵

از تو اے بے نقش با چندین صورت ہم مشبہ ہم منزرہ خیرہ ستر

نظریہ وحدت وجود کا انکار  
متکاسمین اور فلاسفہ نے کیا

وحدت وجود کی مخالفت

ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ بات عقل کے خلاف ہے اور کثیر میں ایک کے  
ظہور کو بداہتہ "عقل محال سمجھتی ہے۔ لہذا یہ نظریہ درست نہیں  
اس کا جواب یہ ہے کہ متوسط درجے کی عقل جو کہ صرف عقلی استدالات  
سے علم حاصل کرتی ہے اس کو محال سمجھتی ہے لیکن ایسی عقل کا کوئی  
اعتبار نہیں کیونکہ وہ غلطی سے خالی نہیں ہوتی ۵

پائے استدلالیاں چوبین بود پائے چوبین سخت بے تمکین بود  
عقل میں اگر اتنی صلاحیت ہوا کرتی کہ ہر چیز کو خود معلوم کر لیا  
کرتی تو انبیا و رسل کیوں بھیجے جاتے۔ ؟ ان حضرات کی بعثت  
اسی بنا پر ہوئی ہے کہ اسرار الہیہ کو پا لینے سے عقل قاصر ہے لہذا  
ایسی استدلالی عقل کے حکم پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور پھر  
اس عقل کا یہ کہنا کہ کثیر میں ایک کا ظہور بداہتہ محال ہے۔ درست  
نہیں ہے۔ وہ شیطان کے بھٹکانے اور وہم کے غلبہ پا جانے کی  
وجہ سے غلط بات کو بدیہی حکم قرار دے رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ  
وہ خود اس حکم کرنے میں پریشان ہے۔ کبھی اس کو باطل کہتی ہے اور

کبھی جائز۔ کیا یہ استدلالی عقل ایک ماہیت کو جسے کلی طبعی کہتے ہیں۔ کثیر اشخاص میں تجویز نہیں کرتی ہے۔ جب اس نے کلی طبعی کو کثیر اشخاص میں تجویز کر لیا ہے تو پھر استعمالہ کہاں باقی رہا اور کثیر میں ایک کا ظہور بیداہتہ کیسے ممنوع ہوا۔ ؟

وہ عقل جو کامل ہے اور اللہ کے نور سے منور اور انبیا کی فرماں بردار اور ان کے لائے ہوئے احکام پر ایمان لانے والی اور ان کے اخبار کو صحیح تسلیم کرنے والی اور ان پر بلا تاویل عمل کرنے والی ہے اور جس کا کشف کتاب اور سنت کے موافق ہے۔ وہ کثرت میں ایک کے ظہور کو نہ صرف یہ کہ محال نہیں کہتی بلکہ وہ خود اس کا مشاہدہ کرتی ہے۔ اور اس کو واقع اور ثابت کہتی ہے۔

شاہ حضرت مجدد و فتر اول کے مکتوب ۲۹۱ میں لکھتے ہیں: "اکثر افراد کے لئے توحید و جودی کے ظہور کا سبب توحیدی مراقبات اور کلمہ توحید لا الہ الا اللہ کی بہ کثرت مزاولت یہ معنی لا موجود الا اللہ ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ اس معنی کے ساتھ کلمہ توحید کی مزاولت سے سلطان خیال میں یہ نقش جم جاتا ہے۔ لہذا اس بنا پر جو توحید ظاہر ہوئی ہے وہ معلول ہے۔ اور اس کا صاحب، ارباب احوال میں سے نہیں ہے۔ ارباب احوال اصحاب قلوب ہیں۔ اور اس طرح کی توحید والا۔ مقام قلب سے بے خبر ہے۔ اس کی توحید علمی توحید ہے۔ اور علم کے کبھی درجات ہیں بعضہا فوق بعض۔"

متکلمین کہتے ہیں کہ وحدت وجود اور کثرت،  
متکلمین کا رویہ | میں اللہ تعالیٰ کا ظہور شریعت کی رو سے

دبقیہ حاشیہ نہ صفحہ گذشتہ) اور بعض افراد کے لئے توحید وجودی کے ظہور اور منشا کی وجہ انجذاب اور قلبی محبت ہے۔ ابتدا میں یہ لوگ اذکار و مراقبات کا شغل کرتے ہیں۔ لیکن بلا تخیل معنی توحید اور پھر اپنی جدوجہد کی وجہ سے یا محض عنایت ازلیہ کی وجہ سے مقام قلب کو پہنچ جاتے ہیں اور ان میں جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اب اس مقام میں اگر ان پر توحید وجودی کا جمال ظاہر ہو جاتا ہے۔ تو اس کی وجہ محبوب کی محبت کا غلبہ ہے۔ غلبہ محبت نے اس کی نظر سے بجز محبوب کے سب کو پوشیدہ کر دیا ہے۔ اب جب کہ یہ لوگ محبوب کے سوا نہ کسی کو دیکھتے ہیں اور نہ کسی کو پاتے ہیں تو لامحالہ وہ محبوب کے سوا کسی کو موجود نہیں سمجھ سکتے۔ یہ توحید تخیل اور توہم کے شاہد اور علت سے پاک و صاف اور از توحید احوال ہے۔ اور اس توحید کے اصحاب اربابا قلوب ہیں۔ اگر یہ افراد اسی مقام سے عالم کو رجوع کریں۔ تو عالم کے ذرہ ذرہ میں اپنے محبوب کو دیکھیں گے اور موجودات کو اپنے محبوب کے حسن و جمال کے لئے مثل آئینہ کے پائیں گے۔ اگر حضرت مقلب القلوب حنّ و علا کے فضل و کرم سے ان افراد کا مقام، مقام قلب کو عبور ہو جائے۔ تو یہ کیفیت رو بہ زوال ہو جائے گی۔ جتنا عروج زیادہ ہوتا جائے گا اسی قدر یہ کیفیت کم ہوتی جائے گی۔ یہاں تک کہ اس کیفیت سے

باطل ہے۔ ان کی اس بات کا یہ جواب ہے۔ کہ شریعت ان آراء اور قواعد کا نام نہیں ہے۔ جن کا استخراج متکلمین کی جماعت نے کیا ہے۔ بلکہ شریعت ان احکام کا نام ہے جن کا بیان کتاب و سنت میں آیا ہے۔ اگر وحدت وجود کا مسئلہ متکلمین کے استخراجی قواعد کے خلاف چارہا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے کتاب و سنت کی مخالفت نہ ہونی چاہیے۔ اس مسئلہ میں کتاب و سنت کی مخالفت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ بلکہ کتاب و سنت سے اس کی تائید ہو رہی ہے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی کہتے ہیں۔ عَلِمْنَا هَذَا مَقِيْدًا بِالْكِتَابِ وَالسَّنَةِ۔ یعنی ہم صوفیوں کا یہ علم جو کشف

و بقیہ حاشیہ ۱۱ صفحہ گذشتہ) مناسبت تک باقی نہ رہے گی۔ بلکہ بعض افراد اس حد پر پہنچ جاتے ہیں کہ وہ اس جماعت پر انکار اور طعن کرنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ رکن الدین ابوالکارم علامہ الدولہ سمنانی نے کیا ہے۔ اور بعض افراد اس کیفیت کے زائل ہونے کے بعد کچھ نہیں کہتے۔ نہ وہ اس کیفیت کی نفی کرتے ہیں اور نہ اثبات۔ یہ کاتب سطور اور باہر توحید و جود پر انکار کرنے اور ان طعن کرنے سے اپنے کو بچاتا ہے۔ انکار اور طعن کی گنجائش اس وقت ہو سکتی ہے۔ کہ اس مقام اور کیفیت رکھنے والوں کا اپنا کوئی مقصد یا کسی قسم کا اختیار ہو۔ جب کہ یہ کیفیت بلا اختیار ظاہر ہوتی ہے تو یہ لوگ مجبور و معذور ہیں۔ اور مجبور و معذور پر رد نہیں کیا جاسکتا۔ الخ

کے طریقے سے حاصل ہوا ہے کتاب و سنت سے وابستہ ہے۔ کتاب اور سنت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ کتاب و سنت کی تائید بالکل واضح اور ظاہر ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کلمہ توحید ہے۔ اور بلا تاویل اس کا مقباد و ترجمہ یہ ہے۔ کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے۔ اس سے لازم آتا ہے۔ کہ جو بھی الہ ہے وہ عین اللہ ہے۔ الہ سے مراد معبود ہے۔ اور از روئے لغت معبود اس کو کہتے ہیں جس کے سامنے تذل اور عاجزی کی جائے۔ اور موجودات میں سے کوئی شے ایسی نہیں ہے۔ جو کسی دوسرے کے سامنے تذل اور عاجزی نہ کرتی ہو۔ لہذا اپنی حقیقت کے اعتبار سے ہر شے عین اللہ ہوئی۔ اور اللہ ہر معبود میں ظاہر ہوا۔ اگرچہ عبادت کرنے والا اپنی بے وقوفی اور نادانی کی وجہ سے اس حقیقت سے بے خبر ہو۔

لیکن متکلمین کلمہ توحید کی اس طرح تاویل کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الہ ایسا نہیں ہے۔ جس کی عبادت کرنے کی شریعت نے اجازت دی ہو۔ لہذا وہ باطل آلہ جن کی عبادت کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے۔ اگر موجود بھی ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ان لوگوں نے اتنا خیال نہ کیا کہ ان کی یہ تاویل نہ صرف بعبیر ہے۔ بلکہ کلمہ توحید کے الفاظ سے یہ مطلب اور مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ اور خاص کر اس صورت میں کہ

یہ کلمہ ابتدائے کلام میں واقع ہو۔

سروارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارِ قریش سے مکالمہ | جب کفارِ قریش سے فرمایا کہ اگر تم دل سے ایک بات کے قائل ہو جاؤ تو عرب و عجم کے مالک بن جاؤ گے۔ ابو جہل اور اس کے رفیقوں نے کہا کیا وہ ایک ہی کلمہ ہے۔ یعنی کیا وہ ایک ہی بات ہے۔ آپ نے ہاں میں جواب دیا۔ ابو جہل وغیرہ بولے اتنی بڑی اور عظیم کامیابی کے لئے ایک بات کی کیا حقیقت ہے۔ ہم دس باتیں قبول کرنے کو تیار ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا اقرار کرو۔ یہ سن کر کافر حیران ہوئے اور انہوں نے کہا۔ کَيْفَ يَسْمَعُ الْخَلْقُ اللَّهَ وَاحِدًا۔ بھلا ایک الہ تمام خلق پر کیسے مشتمل ہو سکتا ہے۔ خلق بہت ہے اور ایک الہ اس کا تحمل نہیں ہو سکتا کہ اس کے تعینات کثیر ہوں اور کافروں نے یہ بات بھی کہی۔ جس کا بیان اللہ تعالیٰ کر رہا ہے۔ أَجْعَلُ إِلَّا إِلَهَةً لَهَا وَاحِدًا إِنَّ هَذَا الشَّيْءُ عَجَابٌ۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ محمد نے خداؤں کو ایک خدا بنا دیا۔ یعنی کثیر الہ کو ایک الہ کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی یہ بات بھی ذکر فرمائی ہے۔ مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ۔ ایسی بات تو ہم نے کسی دوسری ملت میں نہیں سنی ہے کہ کثیر الہ ایک الہ ہوں۔

اس گفت و شنید پر انصاف کی نظر ڈالی جائے۔ اور اس کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ سے کفار قریش یہی سمجھے کہ آلہہ کثیرہ عین اللہ ہیں۔ اور اس پر ان کو تعجب ہوا۔ اگر وہ یہ سمجھتے کہ صرف الہ برحق ہی عین اللہ ہے تو ان کو تعجب نہ ہوتا۔ کفار قریش اہل لسان تھے وہ جو کچھ سمجھے کلمہ طیبہ کے الفاظ سے سمجھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سمجھنے کو غلط نہیں قرار دیا۔ اور نہ آپ نے ان کی بات کا انکار کیا۔ اور نہ آپ نے ان سے یہ فرمایا کہ الہ سے مراد الہ برحق ہے۔ اور اس صورت میں بہت سے خداؤں کا ایک خدا ہونا لازم نہیں آتا۔

کلمہ توحید میں جس الہ کی نفی اور اللہ تعالیٰ کا اثبات ہے قیامت کے دن جب کافر اپنے معبودوں کے متعلق کہیں گے کہ ہم ان کی پرستش کیا کرتے تھے۔ تو ان کے معبود ان کو جھٹلائیں گے۔ عبادت کرنے والوں کو اسی صورت میں جھٹلایا جاسکتا ہے۔ کہ عبادت کرنے والوں کی عبادت معبود کے ظاہری شکل و صورت کے لئے نہ ہوتی ہو بلکہ اس پاک ذات کے لئے ہوتی ہو جو کہ اس شکل و صورت میں ظاہر ہے۔ چوں کہ قیامت کے دن کافر اپنی عبادت کی نسبت معبودوں کی ذات کی طرف کریں گے۔ اس لئے جھٹلائے جائیں گے۔ اور ان کی بات کو جھوٹ اور تہمت قرار دیا جائے گا۔

تعیینات کثیرہ میں ایک کا ظہور | اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ تعینات کثیرہ میں ایک ہی ذات کا ظہور ہے۔ اور وہ ذات پاک اللہ تعالیٰ کی ہے۔ شریعت سے یہی بات ثابت ہے۔ اور یہی بات صوفیہ کہتے ہیں۔ حاشا کہ صوفیہ کی بات شریعت کے خلاف ہو۔ رسولان کرام حضرات نوح۔ شعیب۔ صالح اور ہود علیہم السلام نے اپنی اپنی قوموں کو اللہ کی عبادت کی دعوت دی۔ کہ اَعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهِ غَيْرِهٖ۔ تم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ یعنی ہر وہ معبود جس میں تم اُلُوہیت کا خیال کرتے ہو اور جس کو تم اپنا خدا سمجھتے ہو وہ اللہ ہی ہے۔ وہی ہر مہجالی، ہر تھین، اور ہر منظر میں معبود ہے۔ تم ان ظواہر کو چھوڑ دو اور اس پاک ذات کی طرف رجوع کرو۔ جو ان مظاہر میں ظاہر ہے۔ یہ آیت اس بات پر دلیل قطعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے اور چوں کہ متکلمین نے تاویل پر کمر باندھ رکھی ہے۔ اس لئے وہ اس آیت کی بھی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں الہ سے مراد معبود حق ہے۔ جس کی عبادت شرعاً ممنوع نہیں ہے۔ ان لوگوں نے اتنا نہ سوچا کہ اس تاویل کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تمام انبیاء نے مؤول کلام سے اپنی دعوت کی ابتدا کی ہے۔ کسی ایک نے بھی صاف طور پر کھلے لفظوں سے اپنا مدعا بیان نہیں کیا۔ تمام حضرات انبیاء کی دعوت



سے متعلق اس قسم کی بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کی عقل میں خلل ہو۔ مَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نَوْزًا فَمَا لَهُ مِنْ نَوْسٍ۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے روشنی نہ دی ہو تو اس کے واسطے کسی جگہ بھی نور اور روشنی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : هُوَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ۔

آسمانوں اور زمین میں وہی اللہ ہے۔ یہ آیت اسی بات پر نقص ہے کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ ظاہر ہے۔ چونکہ متکامین کا سمندر تاویل پوری طرح جو لانیوں پر ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک اس آیت میں لفظ مبارک "اللہ" معبود کے معنی میں ہے۔ چنانچہ ان کے قول کی رو سے آیت کا ترجمہ یہ ہوا کہ آسمانوں اور زمین میں وہی معبود ہے۔ ان حضرات نے اتنا خیال نہ کیا کہ لفظ اللہ والجبوتہ جل شانہ کا نام ہے اور نام کا استعمال کسی معنی میں جائز نہیں۔ یا جو وہ اس نقص کے اگر ان کی اس تاویل کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جو بھی آسمانوں اور زمین میں معبود ہے، وہ اللہ ہی ہے۔ اور اس مدعا سے بھی ہمارے بیان کی تائید ہوتی ہے لیکن اب اس کا کیا علاج کہ وہ معبود کو مقید کر رہے ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں۔ کہ معبود سے وہ معبود مراد ہے جس کی عبادت کرنے کی اجازت شریعت نے دی ہے۔ اس قسم کی تاویلات سے کلام الہی الفاظ کے دائرہ سے نکل کر مضامین و مطالب کے دائرے

میں آجاتا ہے۔ اور اللہ کا ارشاد ہے هُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ اِلٰهُ وَ فِي الْاَرْضِ اِلٰهُ - وہی پاک ذات آسمان میں الہ ہے اور وہی زمین میں الہ ہے۔ یہ آیت اس پر نص ہے کہ ہر وہ الہ جو آسمان میں ہے اور زمین میں ہے اللہ ہی ہے۔ لیکن تاویل کرنے والے اس طرف التفات نہیں کرتے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِقْبَامًا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ - اے حبیب! تم سے جن لوگوں نے بیعت کی ہے انھوں نے اللہ سے بیعت کی ہے۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ اس آیت سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ رسول اللہ عین اللہ تھے۔ بیعت کرتے وقت صحابہ نے اس کا مشاہدہ کیا۔ آپ اس وقت اللہ کے منظر تھے۔ اس مدعا کو تاکید دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیعت کرنے والے صحابہ کے ہاتھوں پر اللہ ہی کا ہاتھ تھا۔ حالانکہ ظاہر میں وہ ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ بیعت کرنے والوں کے مشاہدے میں اس وقت اللہ تھا اور آپ عین اللہ تھے۔ آپ کا ہاتھ مشاہدہ میں اللہ کا ہاتھ تھا۔

اس معنی پر بکثرت احادیث دال ہیں کہ مظاہر ممکنہ میں اللہ

اللہ حضرت مجدد و نتر اول کے مکتوب ۲۷۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ظاہر ہے۔ بوجہ طوالت ان کا ذکر نہیں کیا جاتا۔

رَبِّقِہٖ حَاشِیَہ اللہ صفحہ گذشتہ) توحید و وجودی والے بے نہایت ارباب کا اثبات کرتے ہیں اور تمام ارباب کو رب الارباب کا ظہور تخیل کرتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں کتاب و سنت سے دلیل لاتے ہیں۔ کتاب سے **هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ**۔ وہی اول اور آخر اور ظاہر اور باطن ہے۔ اور **وَمَا سَرَّ مَنِيَّتَ إِذْ سَرَّ مَنِيَّتَ وَلَكِنَّ اللّٰهَ سَرَّهٖ**۔ جب تم نے پھینکا تھا۔ وہ تم نے نہیں پھینکا تھا بلکہ اللہ نے پھینکا تھا۔ اور **إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ**۔ یقیناً جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ اور سنت سے **اللَّهُمَّ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ**۔ اے اللہ تو ہی اول ہے، تجھ سے قبل کوئی شئی نہیں ہے۔ اور تو ہی آخر ہے۔ تیرے بعد کوئی شئی نہیں ہے۔ اور تو ہی ظاہر ہے، تیرے اوپر کوئی شئی نہیں ہے۔ اور تو ہی باطن ہے، تجھ سے ورے کوئی شئی نہیں ہے۔ لیکن ان تمسکات میں ان لوگوں کے لئے کوئی استشہاد نہیں ہے یہ عبارتیں ماسول سے کمال وجود کو نفی کرنے کے لئے اور حصر کرنے کے لئے ہیں۔ اصل وجود کی نفی کرنے کے لئے نہیں ہیں۔ جس طرح پر لا صلوات

بعض تعینات کی عباد واجب اور بعض کی حرام | سوال :- جبکہ یہ بات

ثابت ہے کہ موجودات میں سے ہر شے میں اللہ کا ظہور ہے اور ہر شے اللہ کا منظر ہے، چاہے وہ محسوس ہو، چاہے نہ ہو، لہذا ہر شے کی عبادت جائز ہونی چاہیے۔ کیونکہ درحقیقت عبادت اللہ ہی کی ہے۔

جواب :- اس میں کلام نہیں کہ ہر شے میں اللہ کا ظہور ہے

دبقیہ حاشیہ اللہ صفحہ گذشتہ (الایف تحتہ الکتاب۔ بغیر فاتحۃ الکتاب کے نماز نہیں۔ اور لا ایمان لیمن لا امانہ لہ۔ جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں۔ وارد ہے۔ ایسی عبارتیں کتاب و سنت میں بہت ہیں۔ اور ان کا جو بیان علماء نے کیا ہے، وہ تاویل نہیں ہے بلکہ ان نصوص کو کمالِ بلاغت کے بیج پر مثل آرتا ہے۔ کسی شخص کی سفارت کو اگر اہمیت دی جاتی ہے تو محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ اس کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے۔ اس بات سے یہ حقیقت منظور نہیں ہوتی کہ اس کا ہاتھ میرا ہاتھ ہو گیا۔ بلکہ اس مقام پر مقصود مجاز ہے۔ اور یہ مجازی تعبیر حقیقت سے زیادہ بلیغ ہے۔ اگر کوئی غلام یا خادم اپنی قدرت اور طاقت سے زیادہ کام کر لیتا ہے۔ اور اس کام میں مانگ بہت اہتمام کرتا ہے تو مالک کو حق ہے کہ اپنے غلام اور خادم سے کہہ دے کہ یہ کام تم نے سہرا انجام نہیں دیا ہے۔

اور ہر شے اُس کا منظر ہے۔ لیکن عبادت و توجہ سے کی جاتی ہے۔  
یا تو اُس منظر کی ذات اور اس کی شخصیت کے لئے ہوتی ہے۔  
اور یا اُس پاک ذات کے لئے ہوتی ہے جو اس منظر میں ظہور کئے  
ہوئے ہے۔ پہلی صورت ظلم اور شرکِ عظیم کی ہے۔ اور عبادت  
کرنے والا ظالم و مشرک ہے۔ انبیاء کی بعثت اس شرک سے  
روکنے کے لئے ہوئی ہے۔ یہ اتنا عظیم گناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو نہیں  
بخشتا۔ اور ایسے ظالم کی سزا دوزخ ہے۔ یہ عبادت کرنے والا  
چاہے اپنی جہالت کی وجہ سے منظر کو اللہ کے سوا کوئی مجبود سمجھے  
اور چاہے اُس کو اللہ تک پہنچانے کا ذریعہ سمجھے۔ چونکہ وہ بالذات  
اس منظر کی عبادت کر رہا ہے۔ ظلم کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اس لئے  
وہ مشرک ہے۔ اور اگر دوسری صورت ہے تو یقیناً عبادت اللہ ہی کی  
ہے، منظر کی طرف صرف متوجہ ہوا ہے۔ اور اس کو اس نے اپنا قبلہ

---

(یقیناً حاشیہ صفحہ گذشتہ) بلکہ یہ کام میں لے کیا ہے۔ اس بات سے  
نہ اتحاد فعل مراد ہے اور نہ اتحاد ذات۔ ان لوگوں نے شاید انبیاء علیہم السلام  
کے مذاق اور طریقہ کو نہیں سمجھا ہے۔ ان حضرات کی دعوت کا مدار ہی دینی پر  
ہے۔ غیر اور غیرت کے بیان کو جو کہ ان حضرات کے کلام میں واقع ہے۔  
توحید اور اتحاد کے رنگ میں پیش کرنا بجز تکلّفِ بارِ دہ کے اور کچھ  
نہیں۔ الخ

بنایا ہے۔ اس صورت میں اس امر کو دیکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس منظر کو قبلہ بنانے کی اجازت دی ہے یا نہیں۔ اگر دی ہے جیسے کہ بیت اللہ کو، تو عبادت کرنی جائز ہے۔ بلکہ واجب ہے اور اگر اجازت نہیں دی ہے تو اس کو قبلہ بنانا جائز نہیں۔ اس کی عبادت سے بجائے قرب کے اللہ سے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ منظر اگرچہ اللہ کے ظہور کی جگہ ہے۔ اور اللہ ہی اس میں متعین ہے لیکن تمام منظر ہر ایک طرح کے نہیں ہوتے۔ ان میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ہر منظر کے عارضی اور لازمی خواص ہوتے ہیں جو دوسرے منظر میں نہیں ہوتے۔ جس منظر کا لازمہ یہ ہو کہ وہ مسجد البیہ نہ بنایا جائے۔ تو اس کو مسجد البیہ بنانا اللہ کے غضب اور عذاب کا سبب ہوتا ہے۔ اب جو شخص اس کی طرف عبادت کرے گا۔ اور اس کو اپنا مسجد البیہ بنائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا۔ وہ شخص حرام فعل کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اس کا بیان شریعت نے پوری طرح کر دیا ہے لہذا اعمال کے سلسلہ میں شریعت کی میزان کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ اعمال کے خواص کا پتہ شریعت ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انبیاء کو اسی واسطے بھیجا ہے۔ کہ وہ اعمال کے خواص سے اس کے بندوں کو آگاہ کریں۔ اور پھر اس کے بندے ان اعمال کو اختیار کریں جو بہتر اور مفید ہوں۔

اور ان اعمال سے اجتناب کریں جو مضر بہت رساں اور نقصان دہ ہوں۔  
 دورانِ بیان مقصود میں ان امور کا ذکر آگیا۔ لہذا ان کو بیان  
 کر دیا۔ اب اصل موضوع کے طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات وجود محض ہے۔

وہ عارضی اوصاف سے پاک ہے۔

### مسئلہ وحدت وجود

وہ اپنی ذات کے مرتبہ میں موجود بہ اعتبار ماقام بہ الوجود نہیں ہے۔  
 یعنی جس سے وجود کا قیام ہو، بلکہ وہ نفس وجود ہے اور موجود بنفسہ  
 ہے۔ کسی عرض کی بنا پر اس کا وجود نہیں ہے۔ کیونکہ یہ انتزاعی وصف  
 ہے اور وہ اپنی ذات کے مرتبہ میں معدوم نہیں ہے۔ بلکہ واجب الوجود  
 ہے۔ عدمیت کی قابلیت نہیں رکھتا۔ چونکہ وہ خود اس مرتبہ میں وجود  
 ہے (دیکھو حاشیہ ۱) اس کی صفات جیسے علم و قدرت وغیرہما  
 اس مرتبہ میں نہیں ہیں۔ اس کی ذات ہی وجود مطلق ہے۔ اس کے  
 پاس اس کی ذات حاضر ہے۔ وہ اپنے ذاتی کمال کے ساتھ ہے۔  
 اس کے لئے وجوب اور استیغنا ثابت ہے۔ وہ اس مرتبہ میں عالم  
 سے غنی ہے۔ اس مرتبہ تک کسی کا ادراک نہیں پہنچتا۔ اس مرتبہ میں  
 تمام اشیاء ہالک ہیں۔ حافظ شیرازی اسی مرتبہ کے متعلق ارشاد  
 کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ع " فنقا شکار کس نشود دام باز چیں "

قدوة الصالحین، خلیفہ رسول رب العالمین طاہر ادا باطناً

ابو بکر صدیق رضوان اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ العجز عن دسراک  
 الا دسراک ادسراک نارسائی کا سمجھ لینا ہی رسائی ہے۔  
 کیونکہ اس مرتبہ تک کسی کی سمجھ نہیں پہنچ سکتی۔ جو اپنے عجز  
 کو پہچان گیا۔ وہ حقیقت امر سے آگاہ ہو گیا۔

نور و ظلمت کے حجاب | حدیث شریف میں وارد ہے۔ اِنَّ  
 اللہَ حِجَابًا مِنْ نُوْرٍ وَظِلْمَةٍ۔

اللہ تعالیٰ کی ذات نور و ظلمت کے پردوں میں ہے۔ نور سے مراد  
 جمالی اوصاف اور فعلی صفات ہیں۔ اور ظلمت سے مراد جلالی  
 اوصاف اور انفعالی صفات ہیں۔ اللہ کی ذات اپنے اوصاف کے  
 پردوں میں مستور ہے۔ اس تک کسی کی رسائی نہیں۔ نہ نبی مکرم کی  
 نہ ملک معظّم کی۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم

وزہر چہ گفستہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم

اس پاک ذات کو جو کہ وجود مطلق ہے اور  
 ذاتی کمال کے ساتھ پردہ غیب میں ہے۔

غیب الغیب

غیب الغیب کہتے ہیں۔ اپنے مدارک اور مجالیات میں اس کا ظہور  
 ہوتا ہے۔ اور عارفوں پر اس کا شہود ہوتا ہے۔ یہ مجالی اس ذات  
 کی تعینات اور شیونات ہیں جو کہ نہ تمام ہونے والی ہیں۔ لیکن ان  
 مراتب کی کلیات چھ ہیں۔



تنزلات ذات کے چھ مراتب | تنزلات ذات کے مراتب  
 کلیہ چھ<sup>۶</sup> ہیں۔ اور ان کو  
 تعینات سبتہ کہتے ہیں۔ ان میں سے پہلے اور دوسرے تعین میں  
 تعدد کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ فرضی طور پر بھی جس امر کا تصور  
 نہ کیا جاسکے وہ ان دو مراتب کے تحت ہے۔ ان مراتب میں

۱۲۱ حضرت مجدد قدس سرہ دفتر سوم کے مکتوب ۱۲۲ میں تحریر فرماتے ہیں:-  
 اس فقیر کے نزدیک نہ کوئی تعین ہے اور نہ کوئی متعین۔ وہ کونسا تعین  
 ہو سکتا ہے جو لا تعین کو متعین کرے یہ الفاظ شیخ محی الدین اور ان کے اتباع  
 کے مذاق پر ہیں۔ اگر اس فقیر کی عبارت میں اس قسم کے الفاظ واقع ہوئے ہیں۔  
 تو وہ از قسم صنوت مشاکلہ ہیں الخ یعنی مناسبت کی وجہ سے کسی معنی کو دوسرے  
 لفظ سے ذکر کرنا جیسے جوا رسیئہ سیئہ میں عقوبت کے معنی میں سیئہ آیا  
 ہے۔ اور آپ نے دفتر اول کے مکتوب ۲۶۶ میں تحریر فرمایا ہے "صوفیہ وجودیہ  
 نے تنزلات کے جن پانچ مراتب کا بیان کیا ہے وہ مرتبہ وجوب میں تغیر اور تبدیل کے  
 قسم میں سے نہیں ہیں۔ اس مرتبہ وجوب میں تغیر اور تبدیل کفر اور ضلالت ہے  
 ان مراتب کا اعتبار کمالات کے ظہور کے لئے کیا گیا ہے۔ بغیر اس کے کہ اللہ کی  
 ذات و صفات اور افعال میں کوئی تغیر یا تبدیلی واقع ہو۔ الخ چونکہ انسان عالم  
 شہادت میں داخل ہے۔ اس لئے بعض حضرات نے تنزلات کے پانچ مراتب  
 بیان کئے ہیں۔ حضرت مجدد قدس سرہ بھی پانچ مراتب بیان فرماتے ہیں۔

شرکت کے لئے کوئی سبیل نہیں، ان کے بعد چار مراتب ہیں۔ اور ان کے تحت بے شمار اجناس والوابع واشخاص ہیں۔ ان مراتب میں اللہ تعالیٰ کا ظہور اپنے اسمائی کمالات سے متصف ہونے کے لئے ہوا ہے۔ (دیکھو حاشیہ ۷۷)

**پہلا تعین** تنزلات کا پہلا مرتبہ پہلا تعین ہے۔ اس مرتبہ میں اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو اور اجمالی طور پر عالم کو جانتا ہے۔ اس مرتبہ میں عالم اس کی ذات کے ساتھ متحد ہے اور اس میں ظاہر ہونے کی صلاحیت ہے۔ اس کی ذات اقدس میں کسی قسم کا امتیاز نہیں آیا ہے۔ وہ اپنے اسماء اور صفات سے بطریق اجمال متصف ہے اس کے اوصاف میں سے کسی وصف کا کسی دوسرے وصف سے کوئی امتیاز نہیں۔ مثلاً سمیع، قدیر سے اور قدیر مرید سے ممتاز نہیں۔ اس مرتبہ میں اس کی ذات احدیت شخصہ و صرف ہے۔ کثرت کے لئے چاہے وہ حقیقی ہو یا اعتباری کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تمام ممکنات مستہلک ہیں۔ اور تمام اسماء مضحج اور مندرج ہیں۔ اس مرتبہ کو پہلا غیب کہتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کی ذات نے مرتبہ غیب الغیب سے اس مرتبہ میں ظہور کیا۔ اس کی ذات اس مرتبہ غیب میں سب سے پوشیدہ ہے۔ البتہ اصحاب کشف اور ارباب بصیرت جو مؤید بتائیدات الہیہ ہیں۔ اپنے کشف سے اس مرتبہ کا ادراک کرتے ہیں بعض افراد اس مرتبہ کو "عنا" کہتے ہیں۔

**دوسرا تعین** | یہ دوسرا مرتبہ ہے۔ اس مرتبہ میں اللہ کی ذات اپنے تمام اسماء و صفات کو کلیتہً و جزئیہً

بروجہ تفصیل جامع ہے۔ ہر اسم دوسرے اسم سے ممتاز ہے۔ مثلاً سمیع، قدیر سے۔ قدیر مرید سے۔ اس مرتبہ میں صحت اعتباری طور سے کثرت ہے۔ ذات پاک اپنے اوصاف سے متصف ہوئی اور وہ اوصاف اس کے اسماء کہلائے۔ اس مرتبہ میں اسماء کا کمال ظاہر ہوا۔ اگرچہ اسماء اور اوصاف متعدد و ممتاز ہیں۔ لیکن مسخوری اور موصوف اللہ کی ذات ہے یہی وجہ ہے کہ ہر اسم کی توصیف دوسرے اسم سے ہوتی ہے۔ جیسے ہوا اللہ الرحمن الرحیم الملک القدوس۔ وہ اللہ بڑا مہربان، نہایت رحم والا، پادشاہ، پاک ذات ہے۔ اس مرتبہ میں اللہ کو اعیان کا تفصیلی علم حاصل ہے۔ اور اعیان ممکنات نے علمی ثبوت پیدا کیا ہے۔ اور وہ اعیان ثابتہ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اور یہ علم خلاق عالم کا ہے۔ اللہ نے اس علم کو موافق اس علم کے پیدا کیا ہے۔ جو خارج میں اعیان کے استعداد سے متعلق ہے۔

**ایجاد کا طریقہ** | جب اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ اعیان میں سے کسی عین کا ظہور ہو تو وہ کون کہتا ہے۔

ظہور ہوا۔ وہ عین خودی خود پرامتثال کرتی ہے۔ اور ظہور میں

آجاتی ہے۔ اللہ کا فرمان صوت اور حروف سے پاک ہے۔ اعیان میں اپنی ذات سے وجود کی صلاحیت نہیں ہے۔ بلکہ اُن کے وجود میں آنے کے لئے خصوصی اوصاف سے متصف ہونے اور خصوصی وقت کی ضرورت ہے۔ لہذا ہر عین اپنے خصوصی استعدادات کے ساتھ خصوصی وقت پر ظاہر ہوتی ہے۔

افضل الصدقین حضرت ابو بکر کے عین میں صدیقیت اور ولایت کے دوسرے اعلیٰ مراتب کی استعداد تھی۔ وہ انہی کے ساتھ ظاہر ہوئی۔ ابو جہل کے عین میں کفر و سرکشی تھی۔ وہ انہی کو لے کر ظاہر ہوئی۔

اعیان اللہ کے مظاہر ہیں۔ جو عین جس اسم بِسْمِ قَضَا وَقَدْرٍ کا مظہر ہے۔ وہی اسم اس کا رب ہے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً جو اِدِ مطلق ہے۔ اس کے خزانہ میں کسی شے کی کمی نہیں، وہ ہر عین کو اس کی استعداد کے موافق عطا کرتا ہے۔ جس عین کی استعداد خراب ہوتی ہے۔ اُس کو خرابی ملتی ہے۔ اور وہ شستی ہوتا ہے۔ اور جس کی استعداد میں صلاح ہوتی ہے وہ صلاح پاتا ہے۔ دینے والے کا کوئی قصور نہیں۔ قصور عین کی استعداد کا ہے۔ مختصر طور پر قضا و قدر کا بھید یہ ہے۔

اس دوسرے مرتبہ میں واجب اور وَحَقِيقَتُوں کا ظہور ممکن آپس میں متمایز ہو گئے۔ حضرت

واجب الوجود و اوصافِ کمال سے متصف ہوا۔ اور اعیان پر امکان کے علامات ظاہر ہوئے۔ اس طرح دو حقیقتوں کا ظہور ہوا۔ ایک حقیقت واجب الوجود کی، جو صفاتِ کمال سے متصف ہے اور معبود ہے۔ دوسری حقیقت ممکن کی، جو صفاتِ کونیہ سے متصف ہے۔ پہلے مرتبہ میں اَحادِثیت ہے۔ تمام اسماء اور اوصافِ الہیہ اور اوصافِ کونیہ پہلے مرتبہ میں ایک ہیں۔ وہاں تکثر کے لئے گتجا نش نہیں ہے۔ اسی لئے پہلے مرتبہ کو اَحادِثیت کہتے ہیں۔ اور دوسرے مرتبہ کو وَاِجْدِثِیَّت ہے۔ یہ دونوں مراتب از مراتبِ الہیہ ہیں۔ اور مراتبِ کونیہ ان دونوں مراتب کے بعد ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عینِ ثابِتہ تمام اعیان کے لئے ایصالِ فیض میں مُمدد اور مُعاوَن ہے۔

دوسرے تعین کے بعد عَمَّا کا مظہر ہے۔ عَمَّا وہ حقیقت ہے جو عَمَّا کا بیان | حقائقِ امکانیہ کے ظہور کے لئے صلاح ہے۔ تمام کائنات کا ظہور عَمَّا میں ہوتا ہے۔ جب اسمِ رحمن کی توجہ کائنات کی طرف ہوئی اور اس نے اعیان پر رحمت نازل کی تو اس نے بے کیف پھونک ماری۔ اس طرح عَمَّا کا تحقق ہوا۔ لہذا عَمَّا

ﷺ بعض حضرات نے پہلے مرتبہ کو وَاِجْدِثِیَّت اور دوسرے کو وَاِحْدِثِیَّت لکھا ہے۔ حضرت مجددِ قدس سرہ نے بھی وحدت اور وَاِحْدِثِیَّت ہی تحریر فرمایا ہے۔

نفسِ رحمانی اور مظہرِ رب ہے۔ رب تعالیٰ نے اس میں ظہور کیا ہے۔  
 ایک دانائے راز و بیانی نے رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ آيِنَ كَا نَ سَرِّيْنَا قَبْلَ  
 اَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ - ہمارا پروردگار آسمانوں اور

اللہ امام ترمذی نے اپنی جامع کے تفسیر سورہ ہود میں عن دکیع بن حدس  
 عن عمہ ابی رزیں اس طرح روایت کی ہے۔ قلت یا رسول اللہ  
 ابن کان سرینا قبل ان یخلق خلقہ قال کان فی عَمَاءِ مَا تَحْتَهُ  
 هَوَاعٍ وَمَا فَوْقَهُ هَوَاعٍ وَخَلَقَ عَرَّ شَدَّ عَلَی الْمَاءِ - مولانا وحید الدین  
 قدس سرہ نے "شرح جام جہاں نما" میں لکھا ہے: "جس طرح رقیق ابر آفتاب  
 کے قرص کو کچھ چھپا لیتا ہے۔ اسی طرح نفسِ رحمانی نے اپنے ظہور سے آفتابِ  
 اَ حِدِثِی تِ کو چھپایا۔ ش۔ یعنی مرتبہ اَ حِدِثِی تِ کو نفسِ رحمانی کچھ چھپاتی ہے۔  
 بخلاف مرتبہ کون کے کہ اس میں پوشیدگی اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ ظاہر کو باطن  
 کو چھپا لیتا ہے۔ اور سائل نے جو سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہے۔  
 اس مرتبہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ قاعدہ کی رو سے ابر کے اوپر ادریچے پہنچا ہوا  
 کرتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہوا کی نفی فرمادی۔ تاکہ سوال کرنے  
 والا کہیں شام سے ظاہر کی ابر مراد نہ لے لے۔ اس مرتبہ کو عماء اس وجہ سے کہتے ہیں  
 کہ یہ مرتبہ اپنے ظہور سے آفتاب حقیقی کے وجود کو کسی قدر چھپا لیتی ہے۔ اور  
 اس مرتبہ کو دوسرا تعین، دوسری تجلی اور مرتبہ الوہیت کہتے ہیں۔ ش۔ کیونکہ  
 وہ تمام اسماء ذات و صفات و افعال کو جامع ہے۔ الخ

زمین کے پیدا کرنے سے پہلے کہاں تھا؟ آپ نے فرمایا۔ کَانَ فِي عَمَاءٍ  
مَا فَوْقَهُ هَوَاءٌ وَلَا تَحْتَهُ هَوَاءٌ۔ وہ عَمَاء میں تھا۔ نہ اُس کے  
اوپر ہوا تھی اور نہ نیچے۔ ہوا سے مرادِ عالم امکان ہے۔ یعنی ممکنات  
میں سے کسی شے کا ظہور نہ ہوا تھا۔ نہ عَمَاء کے اوپر کوئی مخلوق تھی اور  
نہ نیچے۔ رَبُّ تَعَالَى عَمَاء کے مظاہر میں تھا۔ ہوا سے ممکن کی تعبیر میں  
ترشح ہے۔ کیونکہ از روئے لغت رقیق بادل کو عَمَاء کہتے ہیں۔ اور  
یہاں وہ مظہر مراد ہے جس کا بیان ہوا۔ امام احمد نے اس حدیث کے  
بیان میں کہا ہے۔ کَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ مِّمَّنْ عَمَاء میں  
اللّٰهُ ہی تھا۔ اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی۔ شیخ الاسلام ہر وی  
کہتے ہیں امام احمد کی یہ تشریح جامع اسرار ہے۔ خواجہ جنید نے کہا  
ہے۔ وَهُوَ الْاَن كَمَا كَانَ۔ وہ اب بھی پہلے کی طرح ہے۔ یعنی  
ذات حق کے ہوا اب بھی کچھ نہیں ہے۔

تیسرے تعین | یہ تیسرا مرتبہ ہے۔ اور یہ مظہر ارواح ہے جو مواد  
اور عوارض اجسام اور الوان و اشکال سے مجرّد  
ہے۔ اپنا اور غیر کا صرف ادراک کرتی ہے۔ جیسی اشارہ نہیں کر سکتی۔  
روح دو قسم کی ہے۔ ایک قسم کی رُوح کا تعلق بدن سے تدبیر  
اور تصرف کرنے کا نہیں ہے اور دوسری قسم کا تعلق تدبیر اور تصرف  
کرنے کا..... ہے۔ پہلی قسم میں سے ایک جماعت ہیمینہ کی ہے۔  
یہ جماعت حق تعالیٰ جل شانہ کے مشاہدہ میں ہاکم اور از خود رفتہ

ہے۔ نہ اس کو اپنی خبر ہے اور نہ کسی دوسرے کی۔ وہ بجز شاہدہ ذی الجلال میں غرق ہے۔ کتاب و سنت میں اس جماعت کا بیان ملائکہ کے نام سے آیا ہے۔ حضرت آدم کو سجدہ کرنے پر یہ جماعت ملائکہ، مہمینہ کی مامور نہ تھی۔ کیونکہ تکلیف کے لئے شعور کا ہونا لازم ہے۔ جس کو اپنا ہی شعور نہ ہو وہ مکلف یہ سجدہ کیسے ہوگا۔ اس امر کی طرف اشارہ اُس خطاب میں ملتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو کیا ہے وہ فرماتا ہے: "مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيدَيَّ اسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ" "تجھ کو کس چیز نے اُس شخص کو سجدہ کرنے سے روکا جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ہے۔ آیا تو نے تکبر کیا۔ یا تو عالین کی جماعت سے ہے۔ یعنی ملائکہ عالیہ میں سے جو کہ مامور یہ سجدہ نہیں ہے۔ (اللہ کے دونوں ہاتھ سے مراد اس کے اوصاف جلالیہ و جمالیہ اور اس کے اسماء رفعلیہ و انفعالیہ اور اوصاف قدیمہ و صفات و اسماء ركونیہ ہیں) اور حدیث قدسی میں آیا ہے۔ ان ذکر فی ملائکہ ذکر کرتے ہیں ملائکہ خیر منہ۔ بندہ اگر جماعت میں مجھ کو یاد کرتا ہے۔ تو میں اس کو ایسی جماعت میں یاد کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہوتی ہے۔ اور یہ ملائکہ کی جماعت ہے۔ جس کو ملائکہ، مہمینہ کہتے ہیں۔

عما کی مخلوق | اللہ تعالیٰ نے عما میں پہلے ملائکہ، مہمینہ کو وجود



بخشا اور ان کی صفِ آخر میں ایک ایسا فرشتہ پیدا کیا۔ جس میں ہر شے کا بیان روزِ اول سے لیکر حیات میں جنتیوں اور دوزخ میں دوزخیوں کے داخل ہونے اور پھر موت کے ذبح کئے جانے تک محفوظ ہے۔ اس فرشتہ کو صوفیہ ”عقلِ اول“ اور ”عقلِ کل“ کہتے ہیں۔ اور کتاب و سنت میں اس کا نام ”قلمِ اعلیٰ“ ہے۔ اس کے نیچے دوسرا فرشتہ ہے۔ قلمِ اعلیٰ تفصیل کے ساتھ اس دوسرے فرشتہ میں علوم کا افاضہ کرتا ہے۔ اس دوسرے فرشتہ کو صوفیہ ”نفسِ کل“ کہتے ہیں اور کتاب و سنت میں اس کا نام ”لوحِ محفوظ“ ہے۔ یہ لوح تبدیل اور تغیر سے محفوظ ہے۔ جو بھی ہونے والا اور پیش آنے والا ہے۔ قلم نے اس لوح میں اس کا اثبات کر دیا ہے عقلِ کل اور نفسِ کل یعنی قلمِ اعلیٰ اور لوحِ محفوظ کے علاوہ کچھ اور فرشتے بھی ہیں۔ اور یہ فرشتے جماعتِ اقلام اور جماعتِ الواح میں سے ہیں۔ جماعتِ اقلام کو کائنات کا کچھ علم دیا گیا ہے۔ مثلاً کائنات کے ایک سال کا علم۔ ان کے نیچے جماعتِ الواح ہے۔ اقلام کی جماعت اس علم کو جو ان کو عطا ہوا ہے۔ جماعتِ الواح پر افاضہ کرتی ہے۔ اور وہ علم ان پر ثبت ہوتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان الواح میں کوئی حکم ثبت ہوتا ہے۔ لیکن اس کی مدت کا بیان نہیں ہوتا۔ اور اس کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ حکم ابھی باقی رہنے والے احکام میں سے ہے۔ حالانکہ اس کی مدت تمام ہو چکی ہوتی ہے۔ لہذا

وہ حکم محو کر دیا جاتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا حکم لکھ دیا جاتا ہے۔ اس قسم کے محو و اثبات سے نفس کل محفوظ ہے۔ اگر کوئی حکم موقت ہوتا ہے تو اس کی مدت کا بیان بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-  
 لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ يَحْوِي اللّٰهَ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِتُ وَعِنْدَ اُمِّ الْكِتَابِ  
 ہر مدت کے لئے ایک کتاب ہے۔ وہ مدت اس میں تحریر ہوتی ہے۔ اللہ جس چیز کو چاہتا ہے۔ مدت گزرنے پر الواح سے اسے مٹا دیتا ہے۔ اور جس چیز کو چاہتا ہے ثبت کرتا ہے۔ اور اُمّ الكتاب اس کے پاس ہے جو کہ نفس کل ہے۔ اور لوح محفوظ کہلاتا ہے۔ نفس کل میں محو و اثبات کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ دوسرے الواح میں محو و اثبات ہوتا ہے۔

جو ہر عمامین ملائکہ، مہمینہ اور عقل کل اور نفس کل کے نیچے اور فرشتے اپنے اپنے مراتب پر صف بہ صف کھڑے ہیں۔ وہ سب اپنی اپنی خدمات بجالانے اور اوامر الہیہ کو نافذ کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ فرشتوں کا قول اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے:-  
 وَمَا نَا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ۔ ہم میں سے ہر ایک کا ایک معلوم مقام ہے۔ اپنے مقام سے کوئی تجاوز نہیں کر سکتا۔

عقل کل اور نفس کل کے بعد اعلیٰ صف میں مقربین کی جماعت ہے۔ جیسے جبریلؑ، میکائیلؑ، یہ فرشتے ہر وقت اوامر کے منتظر رہتے ہیں۔ جہاں ان کو حکم ملا اور وہ فوراً اس کو بجالائے۔ فرمانبرداری

ان کی سرشت اور خمیر میں داخل ہے۔ وہ نافرمانی کر ہی نہیں سکتے۔ ان کے بعد منظرِ عما میں طبعی فرشتے ہیں جو کہ اجسامِ علویٰ اور اجسامِ سفلیٰ کے موکل ہیں۔ یعنی آسمانوں اور زمین کی خدمت ان کے سپرد ہے۔ ان فرشتوں کو مدبر کہتے ہیں۔ ان میں سے بعض کے سپرد انسان کے انما۔ تولید۔ تغذیہ اور دوسرے امور ہیں۔ اور بعض کے ذمہ اعمال کا لکھنا ہے۔ یہ جماعت اقلام والواح کی جماعت میں سے ہے۔ از روئے نفس یہ جماعت کرام ہے۔ ان الواح میں محو و اثبات ہوا کرتا ہے۔ یہ فرشتے بندوں کی نافرمانیاں لکھا کرتے ہیں۔ اور اللہ کی رحمت ان کو محو کرتی رہتی ہے۔ اس جماعت میں بعض فرشتے ایسے بھی ہیں۔ جو بندہ کو امرِ خیر کی ترغیب دیتے ہیں۔

یہ سب فرشتے جن کا بیان گزرا ہے۔ اللہ کی تسبیح اسماء برتر یہ ہے سے کرتے ہیں، ان کو اسماءِ تشبیہیہ کا علم تک نہیں ہے۔ ہر ایک فرشتہ کی تسبیح اُس اسم سے ہے جس کا وہ منظر ہے۔ اور ملائکہ طبعیہ کا وجود اگرچہ عالم شہادت یعنی پانچویں مرتبہ کے بعد ہے لیکن ان کی لطافت اور ان کا قرب عالمِ حیرت سے جو کہ زیادہ تر دوسرے مرتبہ میں سے ہے۔ ان کو تیسرے مرتبہ میں داخل کر دیتا ہے۔ اور ان کا شمار مرتبہ سوم میں ہوتا ہے۔ اور ابد ان سے تعلق رکھنے والی ارواحِ نفوسِ فلکیہ ہیں۔ چاہے وہ نفوس

جوانی ہوں، چاہے شیطانی، چاہے حتی۔ شیطانی نفوس اللہ تعالیٰ کے اسم المصنوع کے مظہر ہیں۔ وہ اسی اسم سے اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔ انھوں نے گمراہ کرنے پر کمر باندھ رکھی ہے۔ کیونکہ ان کی نشأت کا تقاضا ہی یہی ہے۔

**ارواح کا بیان** | بدن سے تعلق رکھنے والی ارواح میں سے انسانی رُوح بھی ہے۔ اور یہ رُوح اللہ کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے۔ اس میں تمام اشیا کا علم مکنون ہے۔ بلکہ بالفعل موجود ہے۔ اور وہ پوری طرح دوسرے تعین کی مظہر ہے اور عقل کل کے مشابہ ہے بلکہ عقل کل سے افضل ہے۔ کیونکہ عقل کل میں ان اشیا کا علم ہے جو قیامت کے دن کے اختتام تک پیش آنے والی ہیں۔ اور انسانی رُوح میں تمام اشیا کا علم ابد الابد تک کا مکنون ہے۔ رُوح اگرچہ امر واحد ہے لیکن وہ تعینات کثیرہ میں متعین ہوتی ہے۔ یہ تعینات حیوانی ارواح ہیں۔ ہر انسان کے بدن میں ایک حیوانی رُوح جاری اور ساری ہے۔ حیوانی رُوح کا جسم لطیف ہے۔ اس کے جسم کا ہر حصہ انسان کے جسم کے ہر حصہ کے برابر ہوتا ہے۔ اور اس کا معلوم کرنا مجہول ہو کر رہ گیا ہے۔ شیخ محب اللہ الہ آبادی فرماتے ہیں:۔ ارواحنا اجسادنا واجسادنا ارواحنا۔ ہماری رُوح ہمارا جسم ہے۔ اور ہمارا جسم ہماری رُوح۔ اسی حیوانی رُوح کو تکلیف اور راحت کا احساس ہوتا ہے انسانی

رُوح کا اس حیوانی رُوح میں تعین ہوا ہے۔ اس تعین سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو انسانی رُوح اپنے مرتبہ وحدت میں تکلیف اور راحت کی لذت سے پاک ہے۔ اس کا بیان شیخ اکبر نے صراحت سے کیا ہے۔ رُوح حیوانی کو جو کہ متعین ہے۔ رُوح انسانی سے مرکب قرار دیا ہے۔ اگرچہ انسانی رُوح تعین سے مجرد ہے۔ اور وہ مطلق ہے۔ لیکن اس کا ظہور حیوانی رُوح میں ہوا ہے۔ مثنوی کے اس شعر کا مطلب بھی یہی ہے۔

تفرقہ در رُوح حیوانی بود      نفس واحد رُوح انسانی بود  
 امتیاز اور تفرقہ حیوانی رُوح میں ہوتا ہے کیونکہ وہ متعین ہے۔ اور انسانی رُوح بقطع نظر ان تعلقات کثیرہ کے اپنے مرتبہ ذات میں نفس واحد ہے۔ اس میں کثرت کے لئے گنجائش نہیں۔ حیوانی رُوح جس کا بیان گزرا ایک لطیفہ اور ابدی جو ہر ہے۔ انسان کے مرنے پر وہ نہیں مرتی اور نہ وہ معدوم ہوتی ہے۔ موت عدم کو نہیں کہتے ہیں۔ بلکہ اجزا کا بکھر جانا موت ہے۔ بدن سے جب رُوح کی جدائی واقع ہوتی ہے، وہ مثال منفصل میں کسی صورت سے تصور ہو جاتی ہے۔ مثال منفصل کا بیان چوتھے تعین میں آ رہا ہے۔ قبر میں سوال اسی حیوانی رُوح سے ہوتا ہے۔ سوال کرنے والے دو فرشتے منکر اور نکیر ہیں۔ شریعت میں تفصیل سے اس کا بیان آیا ہے۔ فلاسفہ کہتے ہیں کہ حیوانی رُوح بخاری جسم ہے جو کہ مرنے پر

معدوم ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ حرارتِ جسمی الگ شے ہے، اور ہماری بحث حیوانی رُوح میں ہے۔ حیوانی رُوح میں تفاضل ہوا کرتا ہے۔ جو افرادِ کامل ہوتے ہیں وہ اس رُوح کو خواہشاتِ نفسانیہ سے بچا کر انسانی رُوح کے مشابہہ میں فانی کرتے ہیں۔ انسانی رُوح کی حقیقت ایک امر الہی ہے اور وہ لطائفِ الہیہ میں سے ایک لطیفہ ہے۔ کامل افرادِ انسانی رُوح کی حقیقت اور اس کی کلیت اور اطلاق سے واقف ہوتے ہیں۔ شیخ صدر الدین قونوی قدس سرہ سے منقول ہے۔ کہ ارواح، کلیتہً راقیہ ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہے۔ کہ اولیاء اللہ ارواح کی کلیت سے واقف ہیں۔ البتہ اس لطیفہ الہیہ کی معرفت میں وہ متفاوت ہیں۔ اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے ہر ایک کی معرفت ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ رُوح اپنی ذات سے امر واحد ہے اور وہ کامل ہے لیکن اس کے تعینات زیادہ ہیں اور ہر تعین کا کچھ خاصہ اور لازمہ ہوتا ہے، جو دوسرے میں نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا خاصہ اور لازمہ کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ بعض تعینات کی وجہ سے رُوحِ اعلیٰ اعلیٰ ترین پہنچتی ہے۔ اور وہ متعین معرفتِ الہیہ میں ممتاز ہوتا ہے۔ کوئی اعلیٰ درجہ کمال پر فائز ہوتا ہے اور کوئی اس سے کم، اور کوئی اس سے بھی کم۔ یہ کمال اور نقصانِ رُوح انسانی میں ہوا کرتا ہے۔ راحت اور تکلیف کا احساس بھی اسی کو ہوا کرتا ہے۔ اور یہ سب بہ شرطِ تعین در متعینات۔



لہذا یہ عالم ہر دو عالم کے درمیان برزخ ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے۔ کہ اس کے ادراک کے لئے قوتِ متخیلہ کو رُئے کا لانا شرط ہے۔ اور دوسری قسم کے لئے قوتِ مدرکہ کو عمل میں لانا شرط نہیں ہے۔ اور اس کو مثال منفصل کہتے ہیں۔

**مثال منفصل** | مثال منفصل ایک لطیف عالم ہے اور بے تعبیل اور اختراع کے موجود ہے۔ اس عالم میں رُوح مجسم ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحیہ کلبی کی شکل میں جبریل کا آنا اسی عالم میں ہوا کرتا تھا۔ حضرات انبیا اور خضر علیہم السلام اور اولیاء کا ظہور اسی عالم میں ہوا کرتا ہے۔ جس پر چاہتے ہیں۔ جسید مثالی سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ساریتہ بن زنیم پر امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی عالم میں ظاہر ہوئے تھے۔ اس واقعہ کی تفصیل اس طرح پر ہے۔

**حضرت عمر کا واقعہ** | حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جہاد کے واسطے ایک فوجی دستہ ساریتہ بن زنیم کی سرکردگی میں ارسال کیا۔ یہ دستہ دشمنوں سے لڑائی میں مصروف ہوا۔ دشمنوں نے پہلے سے ایک تدبیر مجاہدوں کو نقصان پہنچانے کی سوچ رکھی تھی۔ انھوں نے میدان جنگ کے قریب ایک پہاڑی میں مورچے بنا کر فوج کا ایک دستہ چھپا دیا تھا۔ اور تدبیر یہ تھی کہ لڑائی شروع ہونے کے بعد وہ پہاڑی کی طرف پسپائی اختیار کریں گے۔ اور جب



مسلمان ان کا پیچھا کرتے ہوئے پہاڑی تک پہنچ جائیں گے تو کمین گاہ سے تازہ دستہ نکل کر چھپے سے ان پر حملہ کر دے گا۔ چنانچہ دشمنوں نے یہی کیا۔ لڑائی شروع ہوئی اور انھوں نے پہاڑی کی طرف پسپائی شروع کی۔ مجاہدین کا دستہ ان کے پیچھے بڑھا۔ یہ جمعہ کا دن تھا اور حضرت عمر مدینہ طیبہ میں منبر نبوی پر خطبہ پڑھ رہے تھے۔ آپ پر اسی دوران میں حقیقت امر واضح ہوئی اور آپ نے دوران خطبہ میں بلند آواز سے فرمایا۔ یا ساس یتربن ز نیم الجبل الجبل۔ اے ساریہ بن ز نیم پہاڑ سے بچو۔ پہاڑ سے بچو۔ اے ساریہ نے میدان جنگ میں نہ صرف آپ کی آواز سنی، بلکہ آپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ حالانکہ آپ کا عنصری جسم مدینہ منورہ میں منبر پر تھا۔ آپ کا مثالی جسم ساریہ پر ظاہر ہوا تھا۔

مرنے والے پر عزرائیل کا ظہور،  
اور بدن سے مفارقت کے

**قبر کی راحت اور عذاب**

بعد روح کا تجسّد ہونا، منکر نکیر کا سوال کرنا۔ اور قبر میں راحت اور عذاب۔ **أَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ**۔ کا ہونا اسی عالم میں ہے۔

۱۵ مکتوبات حضرت مجدد کا دفتر سوم مکتوب ۳۱ دیکھو۔ ملا بدر الدین نے حضرت مجدد سے عالم ارواح، عالم اجسام اور عالم مثال کے متعلق دریافت کیا ہے اور عذاب قبر کے متعلق استفسار کیا ہے کہ کیا وہ عالم مثال میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ حَتَّىٰ اِذْ لَجَاءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ  
 رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا  
 كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ اِلَى يَوْمٍ يَّعْبَثُوْنَ۔

دبقیہ حاشیہ ۵۱ صفحہ گذشتہ) سے ہے اور زیادہ خواب کے آلام و  
 راحت کی طرح ہے۔ آپ نے ان کو تحریر فرمایا ہے :- اے برادر!   
 عالم ممکنات کو تین قسم قرار دیا گیا ہے۔ عالم ارواح۔ عالم مثال اور عالم  
 اجساد۔ عالم مثال کو عالم ارواح اور عالم اجساد کا برزخ قرار دیا گیا ہے  
 اور کہا گیا ہے کہ وہ ان دونوں عوالم کے لئے بمنزلہ آئینہ کے ہے۔ دونوں  
 کے حقائق اور معانی کا اظہار بہ صورت لطیفہ اس میں ہوتا ہے۔ ہر حقیقت  
 اور معنی اپنی مناسبت سے کسی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ عالم مثال اپنی  
 ذات سے صورت و ہیات و اشکال پر مشتمل نہیں ہے۔ اس میں جو صورت  
 ظاہر ہوگی وہ خارج سے آئے گی۔ اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے بعد کہتا  
 ہوں۔ رُوح کا تعلق بدن سے ہوا اور وہ اس تعلق سے پہلے اپنے عالم میں  
 تھی۔ یعنی عالم ارواح میں۔ چونکہ عالم مثال سے بالاتر ہے۔ بدن سے  
 تعلق پانے کے بعد یہ علاقہ حقیقی عالم اجساد میں رہی۔ عالم مثال سے  
 اس کا تعلق نہ بدن کے تعلق سے پہلے تھا اور نہ اس سے تعلق کے بعد ہے۔  
 صرف یہ صورت ہے کہ اچھا نا اپنے احوال کو مطالعہ کرنے کے واسطے عالم مثال  
 میں آتی ہے۔ وہ اپنے احوال کے حسن و قبح کو دیکھتی ہے۔ جیسا کہ واقعات

کافروں میں سے جب کسی ایک کی موت آجاتی ہے اور وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ کا دیکھ لیتا ہے۔ اور اگر وہ ایمان لانے والوں میں سے ہوتا

(بقیہ حاشیہ ۱۵ صفحہ گذشتہ) اور خوابوں میں ظاہر ہوا کرتا ہے۔ یہاں اس طرح پرکھی ہوا کرتا ہے۔ کہ وہ اپنے جس سے غائب نہیں ہوتی بلکہ معافی کا احساس کر لیتی ہے۔ اور روح جب بدن سے الگ ہوتی ہے۔ تو اگر وہ ارواحِ علویہ سے ہے، عالمِ بالا کو جاتی ہے۔ اور اگر سفلیہ سے ہے تو گرفتارِ اسفل ہوتی ہے۔ عالمِ مثال سے اس کا تعلق نہیں ہوتا۔ عالمِ مثال دیکھنے کا عالم ہے، رہنے کا عالم نہیں ہے۔ رہنے کی جگہ عالمِ ارواح ہے یا عالمِ اجساد۔ عالمِ مثال ان دونوں عوالم کے لئے بمنزلہ آئینہ ہے۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

عالمِ مثال کی جو تکلیف خواب میں دکھائی جاتی ہے۔ وہ اصل عقوبت کی مثال ہے۔ اور تنبیہ کے واسطے خواب میں دکھائی جاتی ہے۔ قبر کا عذاب اس طرح کا نہیں ہے۔ وہ عقوبت اور سزا کی شیخ یا مثال نہیں بلکہ فی الواقع عذاب ہے۔ اور خواب میں جس تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔ اگر بالفرض اس کی کوئی حقیقت ہو بھی تو وہ از قسم عذابِ دنیویہ ہے۔ اور قبر کا عذابِ اخرویہ عذاب میں سے ہے۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اور آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ قبر کے عذاب کو خواب کے عذاب کی طرح سمجھنا، صورتِ عذاب اور حقیقتِ عذاب سے ناواقفیت کی بنا پر ہے

تو وہ اپنا ٹھکانہ جنت کا دیکھتا۔ تو وہ اس وقت کہتا ہے۔ اے میرے پروردگار! مجھ کو دنیوی زندگی کی طرف لوٹا دے۔ شاید میں اچھے عمل کر لوں۔ جن کو میں نے پچھلی زندگی میں چھوڑ رکھا ہے۔ بھلا یہ کافر دنیوی زندگی کی طرف اب کس طرح لوٹ سکتے ہیں۔ یہ بے کار سی بات ہے۔ جو قبول نہیں کی جاسکتی۔ اس وقت اگرچہ کافر یہ بات کہہ رہے ہیں لیکن وہ جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کہہ رہا ہے۔ **وَلَوْ رُدُّوْا لَإِلْمَا نَمُوتُوْا**۔ اگر ان کو دنیوی زندگی کی طرف لوٹا دیا جائے تو وہ ان ہی کاموں کی طرف لوٹ جائیں گے۔ جن سے وہ روکے گئے ہیں۔ کیونکہ ان کی نشأت ہی نافرمانی پر ہوئی ہے۔ ان کے واسطے قیامت تک کے لئے ایک برزخ ہے۔ اسی برزخ میں ان پر عذاب ہوتا رہے گا۔ اور یہ برزخ عالم مثال منفصل ہے۔

---

(بقیہ حاشیہ ۱۵ صفحہ گذشتہ) اور اس اشتباہ کی وجہ وہ توہم ہے جو عذابِ آخروی کے متعلق ہو گیا ہے کہ آخروی عذاب دنیوی عذاب کی طرح ہے۔ اور یہ خیال بالکل غلط ہے۔ الخ

۱۶۔ برزخ اس عاجز کو کہتے ہیں جو دو اشیا کے مابین واقع ہو۔ اور ایک کو دوسرے سے نہ ملنے دے۔ اس آیت شریفہ میں برزخ کا ذکر آیا ہے۔ ابن عباس نے اس کا بیان حجاب سے اور ضحاک، مجاہد، اور ابن زید

## حَشْرًا جَسَاد

قیامت کے دن اسی عنصری جسم کا حشر ہوگا۔ لیکن یہ عنصری جسم مثالی جسم کی طرح بہت لطیف ہوگا۔ اہل جنت اپنے اچھے اعمال کی اچھی صورتوں کو دیکھ کر خوش ہوں گے اور اہل نار اپنے بُرے اعمال کی بُری صورتوں کو دیکھ کر متعذب ہوں گے۔ اعمال کی صورتوں سے متنعم اور متعذب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس عالم اجساد میں اگرچہ اعمالِ آغراض ہیں۔ اور اپنی ذات سے قائم نہیں ہیں۔ لیکن عالمِ مثال منفصل میں ہر عمل کی حقیقت جو سہ بن کر سامنے آتی ہے۔ اچھا عمل حور و قصور وغیرہ کی شکل میں اور بُرا عمل عذاب کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر زنا کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ کہ اگرچہ اپنی جہالت اور اپنے خواہشات نفسانیہ

دبقیہ حاشیہ ۱۶ صفحہ گذشتہ) نے موت اور عشر کے فصل سے بیان کیا ہے۔ ابن کعب نے کہا ہے کہ کافر نے اہل دنیا میں سے ہے کہ وہ دنیا والوں کے ساتھ کھائے پئے اور تہ اہلِ آخرت میں سے ہے کہ اپنے اعمال کی جزا پائے۔ ابو صخر نے کہا ہے کہ برزخ قبر ہے۔ شیخ الاسلام انصاری ہر دو نے کہا ہے کہ قبر کی مدت برزخ ہے۔ علامہ بحر العلوم نے اس کا بیان عالمِ مثال منفصل سے کیا ہے۔ حضرت محمد کا بیان حاشیہ ۱۵ میں گزر چکا ہے اور حاشیہ ۱۴ میں آ رہا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ دنیا اور آخرت کے مابین قبر برزخ ہے۔ ۱۶۔

کی وجہ سے اس دنیا میں اس فعل شنیع میں لذت کا احساس کیا جاتا ہے۔ لیکن مثال منفصل میں اس کی حقیقت جھلسا دینے والی آگ ہے۔ آخرت کی زندگی حقائق پر مبنی ہے۔ وہاں اعمال کی حقیقتیں سامنے آتی ہیں۔ اور وہ راحت یا تکلیف کا سبب بنتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کافروں کو خطاب کر رہا ہے۔ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ۔ تم کو وہی جزا مل رہی ہے۔ جو تم نے کر رکھی ہے۔ یہ آیت نص ہے کہ انسان کی جزا اس کا عمل ہی ہے۔

۱۷ حضرت مجدد قدس سرہ نے دفتر اول کے مکتوب ۲۶۶ میں لکھا ہے: "قبر کا عذاب کافروں کے لئے اور ایمان والوں میں سے بعض گنہگاروں کے لئے حق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے۔ اور قبر میں مومنوں اور کافروں سے منکر و تکبر کا سوال کرنا بھی حق ہے۔ دنیا اور آخرت کے درمیان قبر برزخ ہے۔ لہذا اس کا عذاب بھی ایک طرح سے دنیوی عذاب سے مناسبتر رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ انقطاع کو قبول کرتا ہے۔ یعنی ختم ہو سکتا ہے اور دوسری طرح سے اخروی عذاب سے مناسبتر رکھتا ہے۔ کیونکہ درحقیقت وہ اخروی عذاب میں سے ہے۔ آیت مبارکہ النَّارُ لِحَرِّهَا عَلِيمًا غَدُوءًا وَعَشِيًّا۔ قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یعنی ان لوگوں پر صبح و شام آگ پیش کی جاتی ہے۔ یعنی دکھلائی جاتی ہے۔ اور یہی کیفیت راحتِ قبر کی ہے کہ وہ بھی ڈو ڈو جہر رکھتی ہے۔ الخ

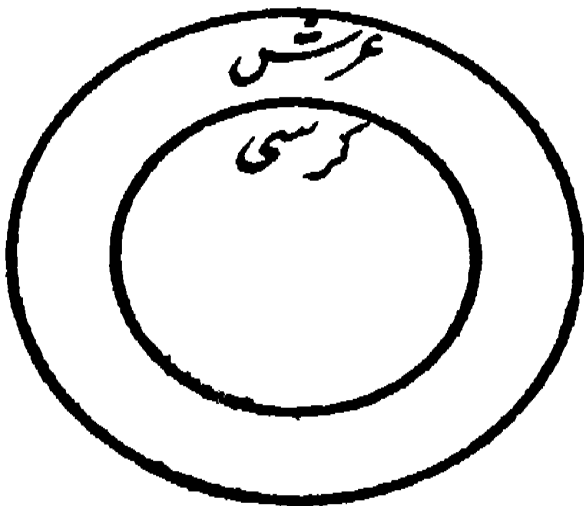
عالمِ مثال کی پہلی قسم | عالمِ مثال کی وہ قسم جس کے ادراک کے لئے قوتِ متخیلہ کو کام میں لانا شرط ہے۔ اس وقت ظاہر ہوتی ہے۔ جب قوتِ متخیلہ سے کام لیا جاتا ہے جو صورتیں خواب میں نظر آتی ہیں وہ اسی قسم میں سے ہیں۔ خواب میں نظر آنے والی صورتیں کبھی حقائق کے مطابق ہوا کرتی ہیں اور کبھی نہیں۔ مطابق ہونے کی صورت میں تاویل کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم کی نبوت کی ابتدا صبحِ خواب سے ہوئی۔ جو کچھ آپ ملاحظہ فرماتے تھے۔ سپیدہ صبح کی طرح واضح ہو کر آپ کے سامنے آتی تھی۔ یہ کیفیت وحی کے نازل ہونے اور فرشتہ کی آمد سے پیشتر تھی۔ اور غیر مطابق ہونے کی صورت میں تاویل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے ہی خوابوں میں سے وہ خواب ہے جس کی روایت بخاری نے کی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ و صحبہ وسلم نے فرمایا۔ خواب میں میرے پاس ایک برتن میں دو دھ لایا گیا۔ میں نے خوب سیر ہو کر پیا۔ اور کچھ بچا۔ تو وہ میں نے عمر کو دیدیا۔ دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ اس کی تعبیر علم ہے۔ اور وہ خواب ہے جو بخاری میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔ کہ میرے سیاہنے لوگ پیش کئے گئے۔ کسی کی نمبیں بہت چھوٹی سینہ تک تھی اور کسی کی گھیر تک، کسی کی پنڈلی تک، اور عمرؓ کو میں نے دیکھا کہ ان کی نمبیں زمین پر

گھسٹ رہی تھی۔ اور آپ نے اس کی تعبیر ایمان بتائی ایسے ہی خوابوں میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب ہے کہ آپ اپنے فرزند کو ذبح کر رہے ہیں۔ اور اس کی تعبیر بھیڑ تھی۔ اولیاء پر ظاہر ہوا ہے کہ وہ فرزند حضرت اسحاق ہیں علیہ السلام۔

**پانچواں تعین** | یہ پانچواں مرتبہ ہے اس کو عالم شہادت اور عالم اجسام کہتے ہیں۔ عقل کل اور نفس کل کے بعد جو ہر عماد میں ہمارا اور طبیعت کی تخلیق ہوئی۔ ہمارا اجسام کا مادہ ہے۔ اللہ کے حکم سے طبیعت موافق اس کیفیت کے جو نفس کل میں عقل کل کے افاضہ سے ثابت ہے۔ بلا کسی شعور کے اثر کرتی ہے۔ ابتدا میں ہمارے جوہری امتداد قبول کر کے کڑوی شکل میں ظہور کیا۔ یہ کڑہ تمام عالم اجسام پر محیط ہے اور یہی عرش عظیم ہے۔ عماد میں جا۔ فرشتے وجود میں آئے جو کہ اس عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ قیامت کے دن آٹھ فرشتے اس عرش کو اٹھائیں گے۔ یہ عرش رحمان کا مستوی ہے۔ رحمان اس پر ظاہر ہوا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے۔ **الرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ اسْتَوٰی۔** لہذا اس کی رحمت نے تمام عالم کو گھیر لیا ہے۔ مخلوقات میں سے کوئی مخلوق ایسی نہیں کہ اس پر رحمت کا شمول نہ ہوا ہو۔ حتیٰ کہ اس کے غضب میں بھی رحمت موجود ہے۔ جس پر غضب نازل ہوتا ہے وہ غضب اس کی بیماری اور خرابی کے واسطے رحمت ہے۔ بیماری



اور خرابی بھی ایک حقیقت ہے۔ اور وہ حقیقت اُس وقت ظاہر ہوتی ہے۔ جب رحمت اس سے متعلق ہوتی اور جس پر غضب کا نزول ہوا ہے اس کے واسطے کبھی غضب میں رحمت مستتر ہے۔ نافرمان کو آگ کی تکلیف دی جاتی ہے تاکہ اس پر سے گناہ کا رنگ زائل ہو جائے اور وہ نکھر آئے۔ جس طرح پر کچے سونے کو آگ میں ڈالا جاتا ہے تاکہ وہ میل سے صاف ہو اور اپنے اصلی رنگ پر آجائے۔ اسی طرح کچھنے اور فصد کھلوانے میں اگر چہ نشتر کے کچوکے برداشت کرتے پڑتے ہیں۔ لیکن صحت بخش ہونے کی وجہ سے وہ عین راحت ہے۔ یہی کیفیت شرعی حدود کی ہے۔ اُن کے جاری کرنے میں اگر چہ یہ ظاہر جسم کو تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن وہ گناہ کے اثر کو زائل کرتی ہے۔ اور وہ یہ باطن عین رحمت ہے۔



عرش اور کرسی | عرش عظیم کے جوف میں ایک دوسرا کروی جسم اس شکل کا ہے۔ اور یہ کرسی ہے اس سے رحمان کے دونوں قدم ٹکے ہوئے ہیں اور

علامہ شیخ عبدالکریم بن ابراہیم جبلی قدس سرہ نے اصطلاحات صوفیہ میں کتاب "الالسان الکامل فی معرفۃ الأواخر والأوائل"

مَرَادُ دَوْلَتِ قَدَمِ سَے انوارِ رحمتِ خالصہ اور غضب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی رحمت کا تعلق اس کے بندوں سے اس کرسی سے ہوتا ہے۔ اس کرسی میں فرشتے ہیں۔ ان کی خدمت، رحمت اور غضب کا بندوں تک پہنچانا ہے۔

(بقیہ حاشیہ ۱۸ صفحہ گذشتہ) ایک نفیس کتاب لکھی ہے۔ اس میں "قَدَمَان" اور "نَعْلَان" کا بیان آیا ہے۔ مختصر طور پر اِنَّمَا لِلْفَائِدَةِ لِكَمَا جَاتَا ہے۔ آپ کی ولادت ۱۷۷۷ء کو ہوئی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں :-

اوصافِ ذاتیہ اور ان کے نقائص کو قدین کہتے ہیں۔ اوصافِ ذاتیہ وہ اوصاف ہیں۔ جن کا تعلق حضرت ذات سے ہوتا ہے۔ جیسے وجود۔ قدم۔ بقا۔ ان کے نقائص عدم وجود۔ یعنی عدم۔ اور عدمِ قدم یعنی حادث۔ اور عدمِ بقا یعنی فنا ہیں۔ چونکہ قدم از جملہ ذات ہے۔ اس لئے ان اوصاف اور ان کے نقائص کو قدین کہا جاتا ہے۔

اور اوصافِ فعلیہ اور ان کے نقائص کو فعلین کہتے ہیں۔ اوصافِ فعلیہ وہ اوصاف ہیں جن کا اثر مخلوق سے ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے رحمت۔ رضا۔ عقاب۔ ان کے نقائص عدمِ رحمت یعنی نعمت۔ اور عدمِ رضا یعنی سخط۔ اور عدمِ عقاب یعنی معافات۔ ہیں۔ چوں کہ فعل کا مقام قدم کیچے ہے۔ اور صفاتِ فعلیہ۔ صفاتِ ذاتیہ کے تحت ہیں اس لئے ان اوصاف اور ان اوصاف کے نقائص کو فعلین کہا جاتا ہے۔

اس کرسی کے جوف میں ایک اور کروی جسم ہے۔ جو کہ "فلک اطلس" کہلاتا ہے۔ اس کو عرش متغیر بھی کہتے ہیں۔ یعنی تغیر دینے والا عرش۔ عالم میں جو تغیر رونما ہوتا ہے وہ اس سے ہوتا ہے جس مبارک اسم الہی کا یہ عرش منظر ہے۔ اسی اسم مبارک کے منظر فرشتے اس میں ہیں۔ عالم میں تغیرات کی خدمت ان فرشتوں کے سپرد ہے فلک اطلس کے جوف میں "فلک ثوابت" ہے۔ اور اس میں ایک دوسری کرسی ہے۔ اور اس کرسی میں اس کے مناسب فرشتے ہیں یہ سارا بیان اُس کشف کے مطابق ہے۔ جو شیخ اکبر قدس سرہ پر ہوا ہے۔ اور مشہور میں فلک اطلس ہی عرش عظیم ہے۔ اور فلک ثوابت۔ فلک اطلس سے ملا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ ان دونوں کے مابین خلا ہے۔ اس خلا میں جنت بتائی گئی ہے۔ جنت کی ابھری ہوئی کوہان نما چھت فلک اطلس کی زمین اور جنت کی گہرائی لی ہوئی زمین، فلک ثوابت کی کوہان نما ابھری ہوئی چھت ہے اس کے بعد پانی، زمین، اور ہوا کی تخلیق ہوئی۔ اور ہوا سے آگ وجود میں آئی۔ پھر پانی اور زمین سے بخارات اُٹھے اور وہ بلند ہو کر سات آسمانوں کی شکل میں ظاہر ہوئے بہر آسمان پر فرشتے ہیں جو خدمتوں پر مامور ہیں۔ اور زمین کے نیچے دوزخ کی تخلیق ہوئی ہے۔

چھٹا لعین | یہ چھٹا مرتبہ ہے جو انسان کا مرتبہ ہے، وہ تمام

مظاہر کا جامع ہے۔ پہلا تعین اپنے تمام کمالات کے ساتھ دوسرے تعین میں ظاہر ہوا۔ اور دوسرا تعین اپنے تمام کمالات کے ساتھ اور تینوں عوالم کے ساتھ انسان میں ظاہر ہوا۔ انسان تینوں عوالم کا جامع ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے تمام اسما و صفات اور جمیع صفات اکوان اور حبلہ مظاہر کے ساتھ انسان میں ظاہر ہوا ہے۔ انسان ازل سے ابد تک تمام موجودات کا جامع ہے۔ انسان کو عالم صغیر کہتے ہیں۔ اور کابل انسان اللہ کا خلیفہ اور تمام عوالم کا متصرف ہے۔ اجزائے عالم کو اللہ تعالیٰ کا فیض انسان کابل کے باطن کے ذریعہ سے پہنچتا ہے۔ لہذا وہ مسجود ملائک بنا۔

**انسان کابل** | اپنی پیدائش کے اعتبار سے انسان کابل چھپے ہے لیکن اپنی حقیقت کے اعتبار سے پہلا اور پہلے تعین کا مشابہ ہے۔ اور آفرینش کا مقصود وہی ہے۔ اللہ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کو پیدا کیا ہے۔ دونوں ہاتھوں سے مراد اُس کے اوصافِ جلالیہ و جمالیہ اور اسما و فعلیہ و انفعالیہ اور صفاتِ قدیمہ اور صفاتِ واسماءِ کونیہ ہیں۔ اللہ نے باقی تمام مخلوقات کو اپنے ایک ہاتھ سے پیدا کیا ہے۔ اس راز کی خبر ملائک طبیعتیہ کو نہ تھی۔ اس لئے انھوں نے عرض کیا۔ **أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يَفْسِدُ فِيهَا وَلَيْسَ فَكَ الَّذِي مَاءٌ وَمَخْنٌ نَسَبِهِمْ بِحَمْدِكَ وَنَقَدِّسُ لَكَ**۔ اے پروردگار تو ایسے فرد کو اپنا خلیفہ بناتا ہے۔

جو زمین پر فساد پھیلائے گا۔ اور خون بہائے گا۔ اور ہم تو تیری تسبیح اور تقدیس کرتے رہتے ہیں۔

ملائکہ کی تسبیح صرف اُس اسم سے ہوا کرتی ہے جس کے وہ منظر ہیں۔ ان کو باقی اسماء کی خبر تک نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے کامل انسان حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اسماء کی تعلیم دی۔ کیونکہ وہ اس کی ذات کا منظر ہیں۔ اور اُس کی ذات مقدسہ تمام اسماء کی جامع ہے۔ لہذا انسان کامل تمام اسماء کا منظر ہوا۔ اور وہ تمام اسماء سے اللہ کی تسبیح کرتا ہے۔ اس کی تسبیح فرشتوں کی تسبیح سے اکمل ہوئی۔ فرشتوں کو اس حقیقت کا علم نہ تھا۔ اور انھوں نے اپنی عرض پیش کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے کائنات کو پیش کیا۔ اور فرمایا کہ تم ان کے نام بتاؤ یعنی اُن اسماء کو بتاؤ جن کی تسبیح کائنات کرتی ہے۔ اور کائنات جن کی منظر ہے۔ چوں کہ فرشتے تکبر سے پاک ہیں۔ انھوں نے اپنی عاجزی کا اظہار کیا۔ اور کہا۔ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا۔ ہم کو ان کا علم نہیں ہے۔ ہم تو صرف وہی جانتے ہیں جس کی تو نے ہم کو تعلیم دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم سے کہا۔ اے آدم کائنات کے اسماء سے فرشتوں کو آگاہ کر۔ چنانچہ آدم نے کائنات کے اسماء کو بیان کیا اور اس طرح آدم کا فضل اور ان کے مسجود ہونے کا سبب ظاہر ہوا۔ ابلیس نے انسان کامل کو سجدہ نہیں کیا۔ اور کہا۔ اَنَا

خَيْرٌ مِّنْ دَخَلْتَنِي مِّنْ نَّاسٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ۔ میں آدم سے بہتر ہوں۔ کیونکہ تو نے مجھ کو آگ سے اور اس کو گارے سے پیدا کیا ہے۔ ابلیس یہ نہ سمجھا کہ انسانِ کامل اللہ کی ذات کا مظہر ہے۔ تمام اسماء اور صفات اور تمام حقائق عالم کا ظہور اس میں ہوا ہے۔ حقائق عالم میں آگ کی حقیقت بھی شامل ہے۔ اور اس نے صرف ایک ہی مظہر پر تکبر کیا۔ اور یہ اس کو نہ چاہیے تھا۔ لہذا وہ ملعونِ ازلی قرار پایا۔ اور چونکہ وہ اسم المفضل کا مظہر ہے۔ اس لئے بجز اضلال اور گمراہ کرنے کے وہ کچھ اور کر ہی نہیں سکتا۔ وہ اللہ کی تسبیح بھی اسم المفضل اور اس کے ہم معنی اسماء سے کرتا ہے۔ لہذا اس نے اللہ تعالیٰ سے کہا فبعض تک لأغوينهم اجمعين۔ اے پروردگار تیری عزت کی قسم میں بنی آدم کے افراد کو گمراہ کروں گا۔ یعنی اس نے نوع انسانی کے گمراہ کرنے پر کمر باندھ رکھی ہے۔ اُس نے اضلال اور گمراہ کرنے کی خدمت اختیار کر لی ہے تاکہ اسم المفضل کا ظہور ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا واستفنز من استطحت منهم بصوتك واجلب عليهم جحيمك وشر جلك وشار كهم في الاموال والا ولا دوعدهم وما يحدوهم الشيطان الا غرورا۔ اے ابلیس! تو ان میں سے جس کو بھی فریب دے سکتا ہے۔ اور اپنی آواز پر فریفتہ

کر سکتا ہے، فریب دے اور فریفتہ بنا۔ بلکہ اپنی پوری قوت سے لشکر لے کر ان کو بھٹکا اور اُن کے مال اور اولاد میں ان کا شریک بن جا، تاکہ وہ مال اور اولاد کی وجہ سے گمراہی میں پڑے اور تو ان کو مکر و فریب کے وعدے دے تاکہ وہ گمراہ ہوں۔ اور شیطان اُن سے مکر و فریب ہی کے وعدے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ اس نے شیطان کو گمراہ کرنے پر مامور کیا ہے۔ لہذا وہ جس طرح چاہے مخلوق کو گمراہ کرے تاکہ اس کے اسم المفضل کا اظہار ہو۔ اضلال کی خدمت ابلیس کے سپرد ہے۔ اور وہ اپنی یہ خدمت بجا لارہا ہے۔

انسان کامل اپنی حقیقت کے اعتبار سے تمام اسماء کا حامل ہے۔ وہ اسم "المفضل" میں ابلیس کا شریک ہے۔ مع ہذا وہ دنیا اور آخرت میں اسم "الہادی" کا منظر بنا ہے۔ ازین وجہ انسان کامل سے بجز ہدایت کے اور کچھ صادر نہیں ہوتا۔ اور وہ جو کام بھی کرتا ہے ہدایت کے لئے کرتا ہے۔ کاملین انسان جو افرادِ اکمل ہیں۔ وہ حضراتِ انبیا و رسل علیہم السلام ہیں۔ وہ بلاشبہ معصوم ہیں اور اولیاء کی جماعت محفوظ ہے۔ اگر یہ طریق ندرت اُن سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے۔ تو وہ فوراً توبہ و استغفار کرتے ہیں۔ اور یہ بھی ہدایت کے آثار میں سے ایک اثر ہے۔ اس کی وجہ سے اوصاف الہیہ تو اب و عفو و غفور کا ظہور ہوتا ہے۔

ایک جامع منظر | جان لو اگر چہ اللہ تعالیٰ روز ازل سے اپنے تمام اسماء و صفات کو جو کہ اُس کی ذات میں اور ذوات کونیہ میں ہیں اور ذوات کونیہ ان کے مظاہر ہیں جانتا ہے۔ لیکن اس نے ارادہ کیا کہ ایک ایسا منظر پیدا کرے۔ جس میں اپنے تمام اسمائے حسنیٰ کو جو کہ حد شمار سے

۱۹ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ انسان کامل کے فردِ عالی مرتبت کو جو کہ تمام اسمائے حسنیٰ کا منظر اور اللہ تعالیٰ جل شانہ و عم احسانہ کا خلیقہ، اور کثرات کونیہ کے بقار کا سبب بنا ہے۔ قطب الاقطاب قرار دیتے ہیں۔ اور حضرت مجدد قدس سرہ ایسے فردِ اکمل و افضل کو قیوم کہتے ہیں یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں۔ اِنَّ الْقِيَوْمَ لَكثْرَاتِ الْكُوْنِيَةِ فَرْدٍ وَاحِدٍ۔ لہذا قیوم کا خطاب زیادہ بہتر اور مناسب تر معلوم ہوتا ہے۔

”بہ امداد باطن خود ہمہ کائنات عالم را باقی دارد“ قیوم ہی کا بیان ہے جناب شیخ اکبر علیہ السلام ہر وقت ایسے فردِ کامل کا وجود برقرار رکھتے ہیں۔ لیکن حضرت مجدد بعد از منہ ایسے فردِ اکمل کے ظہور کا بیان کرتے ہیں جس طرح پر کہ انبیاء اولی العزم کا ظہور از منہ کثیرہ کے بعد ہوا کرتا تھا۔ ممکن ہے جناب شیخ اکبر نے فردِ کامل کا بیان کیا ہو۔ اور حضرت مجدد نے فردِ اکمل کا بیان کیا ہو۔ حضرت مجدد نے مکتوباتِ قدسی آیات میں چند جا ایسے فردِ اکمل کا ذکر کیا ہے۔ یہ عاجز کچھ نقل کرتا ہے۔ آپ نے دفتر دوم کے مکتوب (۱۱) میں لکھا ہے۔

”انسان عجائبات میں سے ایک امجوبہ ہے۔ اس نے خلافت پالنے



فزون تر ہیں۔ کَلَيْتَةٌ وَجَزِيَّةٌ۔ مشاہدہ کرے۔ اور وہ مظہر انبی جا معیت  
کی رو سے تعینِ اوّل کا جو کہ مراتبِ الہیہ میں جامع ہے۔ مقابل

(بقیہ حاشیہ ۱۹ صفحہ گذشتہ) کی استعداد حاصل کر لی ہے اور امانت  
کا بوجھ اٹھالیا ہے۔ ذرا اس کے خصائصِ نادردہ سنو۔ انسان کا معاملہ  
باطن ایسے مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ شیونات و صفاتِ الہیہ کے اقتران  
کے بغیر صرف حضرت احدیتِ مجردہ کا آئینہ بن جانے کی صلاحیت پیدا  
کر لیتا ہے۔ حالانکہ حضرت ذاتِ ہر وقت مستحجج صفات و شیونات ہے  
کسی وقت بھی اس کی صفات و شیونات اس کی ذات سے الگ  
نہیں ہوتیں۔ حضرت ذاتِ احدیتِ مجردہ کا آئینہ بننے کا بیان اس طرح  
پر ہے کہ انسانِ کامل جب ماسویٰ سے آزاد ہو کر ذاتِ احدیت کا گرفتار  
ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت اس کے پیش نظر صفات و شیونات بھی نہیں  
ہوتی ہیں۔ وہ بکلم (حدیث شریف) الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ حضرت  
ذاتِ احدیتِ مجردہ سے ایک قسم کا مجہول الکلیفۃ اتصال پیدا کر لیتا ہے۔  
یہ تعلق اور گرفتاری جو حضرت ذاتِ بیچوں سے اس کو ہوتی ہے، خود اس کے  
لئے بیچونی اور بے مثلی کا اثبات کر دیتی ہے۔ اس وقت انسانِ کامل ذاتِ  
احد کا آئینہ بن جاتا ہے۔ اس طرح پر کہ اس میں صفات و شیونات کا اظہار  
نہیں ہوتا۔ صرف احدیتِ مجردہ ہی متجلی ہوتی ہے۔ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ  
وہ ذاتِ پاک جس کا انفکاک صفات سے ہرگز نہیں ہوتا۔ انسانِ کامل

اور مائل ہو یا اور وہ منظر تمام مظاہر کا جامع ہو۔ لہذا اس نے انسان کو پیدا کیا۔ اور اس نے انسان میں تمام اسما اور تمام

والبقیہ حاشیہ ۱۹ صفحہ گذشتہ) کے آئینہ میں تجرد کی حیثیت سے متجلی ہوئی ہے اور حُسنِ ذاتی حُسنِ صفائی سے متمیز ہو گیا ہے۔ یہ مرآتیت اور منظریت انسانِ کامل کے سوا کسی کو میسر نہیں۔ بلا اقتران صفات و شیونات، حضرت ذاتِ تعالیٰ و تقدس بجز انسان کے کسی شے میں متجلی نہیں ہوئی ہے۔ الخ اور دفتر دوم کے مکتوب ہم میں لکھا ہے :-

سُنُوْا خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتَيْهِ (حدیث شریف)  
یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ صورت سے منزہ اور پاک ہے۔ بنا بریں اس حدیث کا یہ بیان ہوگا۔ کہ مرتبہ تنزیہ کے لئے عالم مثال میں اگر کسی صورت کا فرض کیا جاسکتا ہے تو وہ انسانِ جامع یعنی انسانِ کامل کی صورت ہو سکتی ہے۔ کسی دوسری صورت میں یہ قابلیت نہیں ہے۔ کہ وہ اس مرتبہ کی مثال اور آئینہ ہو۔ اسی لئے انسانِ کامل، خلافت کے قابل ہوا۔ جب تک کوئی شے کسی شے کی صورت پر مخلوق نہ ہو وہ اس کی خلافت کے شایاں نہیں ہوا کرتی۔ کیونکہ کسی شے کے خلیفہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کا خلف اور نائب متاب ہے۔ انسان جب رحمن کا خلیفہ بنا تو ناچار اس کو امانت کا بوجھ بھی برداشت کرنا پڑا۔ شاہی عطیات کا بوجھ شاہی سواریاں ہی

کائنات کو ملاحظہ کیا۔ اور اس طرح پروردگار نے تمام کائناتِ عالم پر رحم اور کرم کیا۔ اُن کے واسطے انسانِ کامل کی دیدِ بمنزلہ

دبقیہ حاشیہ ۹ صفحہ گذشتہ) اٹھایا کرتی ہیں۔ بھلا آسمانوں، پہاڑوں اور زمین میں وہ جامعیت کہاں ہے کہ وہ اس کی صورت پر مخلوق ہوں۔ اور اس کی خلافت کی شایاں نہیں اور اس کی امانت کا بوجھ اٹھا سکیں۔ اس فقیر کو محسوس ہوتا ہے کہ بالفرض اگر اس کی امانت کا بوجھ آسمان و زمین اور پہاڑ پر ڈال دیا جائے۔ تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور ان کا اثر تک باقی نہ رہے۔ اس عاجز کے نزدیک امانت سے مراد تمام اشیاء کی قیومیت برسیلِ نبابت ہے۔ جو کہ افراد انسان کے کاموں سے مخصوص ہے۔ یعنی کامل انسان کا معاملہ ایسے درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ حکمِ خلافت وہ تمام اشیاء کا قیوم بنا دیا جاتا ہے۔ اور سب کے وجود و بقا اور تمام ظاہری و باطنی کمالات کا افاضہ اُس کے توسل سے ہوتا ہے۔ اگر فرشتے ہیں تو اسی سے متوسل ہیں۔ اور اگر انس و جن ہیں تو اسی سے وابستہ ہیں۔ درحقیقت تمام اشیاء کی توجہ اسی کی طرف ہے اور سب کی نظر کا مرکز وہی ہے۔ چاہے ان کو اس حقیقت کی خبر ہو یا نہ ہو۔ پروردگار جل شانہ نے فرمایا۔ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔ اس نے اپنے نفس پر بڑی ہی ظلم کیا ہے کہ اُس نے اپنے وجود اور توابع وجود کا حکم اور اثر تک باقی نہ رکھا۔ جب تک وہ اپنے نفس پر ایسا ظلم نہ کریگا۔

دیدِ الہی کے ہے۔ کیونکہ وہ تمام اسما و صفات کا منظر ہے۔  
کائنات میں سے ہر کائن صرف ایک اسم کا منظر ہوتا ہے اور

(بقیہ حاشیہ ۱۹ صفحہ گذشتہ) امانت کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں ہو سکتا۔ اور وہ جہول ہے یعنی وہ نہایت ہی جہل والا ہے۔ کہ اس کو اپنے مطلوب کا نہ علم ہے اور نہ ادراک ہے، بلکہ مقصود کے پالنے سے عاجز اور اس کی معرفت سے جاہل ہے۔ اس مقام میں یہی عجز و جہل کمالِ معرفت ہے۔ اس مقام پر اُن میں جو اَجہل ہو گا وہی اَعْرَف ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اُن میں جو اَعْرَف ہو گا۔ وہی امانت کا بوجھ اٹھانے کے لئے لائق تر ہے۔ امانت کا بوجھ اٹھانے کے لئے یہ دو صفتیں گویا کہ علت ہیں۔ ایسا عارف جو قیومیتِ اشیا کے منصب پر فائز و مشرف ہوا ہے۔ وزیر کا حکم رکھتا ہے۔ مخلوقات کی مہمات اس کے سپرد کر دی گئی ہیں۔ انعامات اگرچہ سلطان کی جانب سے ہوتے ہیں۔ لیکن وزیروں کے توسط سے ہی وصول ہوا کرتے ہیں۔ اس دولت کے رئیس ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ یہ عالی منصب بالاصالت انبیاء اولی العزم سے مخصوص ہے۔ اور ان حضرات کی تبعیت اور وراثت کی بنا پر جس کو چاہیں اس دولت سے مشرف فرمائیں۔ ”برکریاں کارہا و شوارنہیت“ اور دفتر سوم کے مکتوب ۸۰ میں لکھا ہے :-

”عَادَةُ الشَّرْجَارِي هِيَ كَمَا رَحِمَتْ وَرَافَتْ سَ قَرُونِ مَتَطَاوَلَهُ

جو کائنات جس اسم کا مظہر ہوتا ہے اس کو اسی اسم کا علم ہوتا ہے۔  
باقی اسماء کا جن کا وہ مظہر نہیں ہے، علم نہیں رکھتا۔ ہر مظہر یہ

(بقیہ حاشیہ ۱۹ صفحہ گذشتہ) اور زمانہ ہائے دراز کے بعد کسی صاحب  
دولت کو فائدے اتم کے بعد بقاء کے اتمل بخشے ہیں اور ذات اقدس کا  
ایک نمودج یعنی نمونہ اس کو عطا فرمایا جاتا ہے۔ اور اس کا قیام پہلے  
جس طرح پرانے اصل سے تھا یعنی اسماء اور صفات سے۔ اب اس  
کا قیام اس نمودج سے ہے۔ اب یہ ذات عطا کردہ شدہ اس کی  
حقیقت ہے۔ اور ان تمام اعراض سابقہ کی جو کہ وہ رکھتا تھا۔  
اب انسانی کمال انجام کو پہنچا اور اس کے حق میں نعمت اتمام کو پہنچی۔  
ایک اور بات کہتا ہوں دھیان سے سنو۔ اس ذات موبوب پر صرف  
اس مخصوص عارف ہی کا قیام نہیں ہے۔ بلکہ عالم کے تمام اعراض کا جو  
کہ اعراض مجتمہ ہیں جیسا کہ ان کا قیام پہلے اسماء اور صفات سے تھا۔  
اب ان کا قیام اس ذات موبوب سے مربوط ہے۔ اسی ایک ذات پر سب  
کا قیام ہے۔ ”خاص کندہ بندہ مصلحتاً عام را“

انسان کی خلافت کا بھید جو کہ ”اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً  
مِیْنِیْ“ میں ہے جس جگہ متحقق ہوتا ہے۔ اور حدیث ”اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی  
صُوْرَتِہٖ“ اس مقام میں واضح ہوتی ہے۔ اور یہ بات جو میں نے کہی  
ہے کہ ذات اقدس کا ایک نمودج اس کو عطا ہوتا ہے۔ الفاظ اور

سمجھتا ہے کہ کمال ہی ہے جو اس میں ہے۔ اور اس میں تقابل موجود ہے۔ مثلاً "المنتقم" "الغفور" کا مقابل ہے۔ المنتقم

(بقیہ حاشیہ ۱۹ صفحہ گذشتہ) میدان عبارت کی تشکیلی سے سے درتہ اس جگہ نمودار کے لئے کیا گنجائش ہے۔ وہ کونسی چیز ہے جو اس کی صورت پر پوری اثرے اور اس مقام میں صورت کے لئے کیا مجال۔! اور سمجھ لینا چاہیے کہ اس قسم کے بزرگ ایک ہی زمانہ میں متعدد نہیں ہوتے اور جبکہ زمانہ ہائے دراز کے بعد ایسے کامل انسان کا ظہور ہوتا ہے۔ تو پھر ایک عصر میں تعدد کی صورت کس طرح ہو سکتی ہے۔ اگر ایسے صاحب دولت کے ظہور کی مدت کا بیان کیا جائے تو شاید بہت کم افراد اس کا اعتبار کریں۔ سَبَّأْنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ سَرَّ حِمَّةً وَهَيَّ لَنَا مِنْ آهْرِ نَاسٍ شَدًّا ۱۱ الخ

انسان کامل کے متعلق حضرت شیخ اکبر اور حضرت مجدد قدس سرہا میں اختلاف نہیں ہے۔ ہر دو حضرات فرماتے ہیں کہ وہ اللہ کا خلیفہ اور بقائے عالم کا واحد ذریعہ ہے۔ اور اس کا روحانی مقام اور مرتبہ اپنے زمانہ میں سب سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اب چاہے اس کو امام اور قطب اللہ تعالیٰ کا نام دیا جائے جیسا کہ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ فرماتے ہیں یا اس کو قیوم کہا جائے جیسا کہ حضرت مجدد قدس سرہ فرماتے ہیں۔

یہ عاجز کہتا ہے۔ جب کہ اس بات پر ہر دو حضرات بلکہ سب کا

انتقام لینے والا اور انعموں پر بخشنے والا۔ بنا رہیں اسماء کے  
مظاہر میں تضاد واقع ہوا اور وہ آپس میں متنازع ہیں۔ تخلیق

بقیہ حاشیہ ۱۹ صفحہ گذشتہ) اتفاق ہے کہ یہ فرد کامل مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ  
جل شانہ و عظم احسانہ کے تمام اسماء و صفات کا تو پھرا لیے فرد اکمل کا انصاف  
اللہ تعالیٰ کے مبارک نام قیوم سے مناسب تر ہے تعجب ہے کہ بعض افراد  
کے نزدیک قیوم کے خطاب اور لقب میں سُوئے ادب کا پہلو ظاہر ہوتا  
ہے۔ حضرت مجدد قدس سرہ آداب شریعت و طریقت سے پوری طرح  
معلیٰ تھے۔ آپ کا تجویز کردہ نام نہ صرف جائز ہے۔ بلکہ بہتر و اولیٰ ہے۔  
چو بشنوی سخن اہل دل گو کہ خطا است سخن شناسی دلبر خطا میں جا  
حضرت شاہ ولی اللہ کے پوتے مولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ تعالیٰ  
علیہما اپنی تالیف "عبقات" کے مقدمہ کے بیسویں عقبہ میں لکھتے ہیں۔  
"اہل کشف و وجدان اور ارباب شہود و عرفان جو کہ براہین عقلیہ  
اور اشارات نقلیہ سے مویا ہیں اس بات پر متفق ہیں۔ کہ اِنَّ الْقَيُّومَ  
لکثرات الکوْنیۃ وَاَحَدٌ شَخْصِیٌّ۔ کثرات کو نبیہ کا قیوم یعنی قائم  
اور باقی رکھنے والا شخص واحد ہے۔ الخ

یعنی یہ بات صرف حضرت شیخ اکبر اور حضرت مجدد تک محدود نہیں  
ہے۔ بلکہ حضرات مشائخ عظام و اولیائے پروردگار کا متفقہ قول ہے۔  
کیا یہ سب حضرات سور ادب کا ارتکاب کر رہے ہیں اور مولانا اسماعیل

آدم کے وقت فرشتوں نے فساد اور خونریزی کا ذکر کیا ہے۔ یہ امور نزاع اور اختلاف ہی سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ عیب

رہیقہ حاشیہ ۱۹ صفحہ گذشتہ) بھی ان سے اتفاق کر رہے ہیں۔

فائدہ :- حضرت شیخ اکبر اسما و صفات الہیہ کو حقائق امکانیہ

قرار دیتے ہیں۔ اور حضرت مجددائینہ عدمیہ کو جس پر اسما و صفات واجبہ

کا پیر تو پڑا ہے۔ حقائق امکانیہ قرار دیتے ہیں۔ اور دونوں حضرات متفق

ہیں کہ ایک فرد اکمل از انسان کامل کثرات کونیہ کے بقار کا ذریعہ ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں جناب مولانا محمد اسماعیل "عجقات" کے مقدمہ کے اکیسویں

عبقہ میں ایک شبہہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔

"امام ربانی کے کلام سے سمجھا جاتا ہے کہ حقائق امکانیہ کا تعین

عدم ہے۔ اس قول سے انجاد کی اساس تو جڑ سے نکل جاتی ہے۔ لیکن

ہم جیسے فاقہ کشف و شہود کی سمجھ سے یہ بات بالائے ترے۔ اور اس

کی تہ تک پہنچنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ کیونکہ ہم اس کا

تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کہ۔ اَنْ يَكُونَ الشَّيْءُ الْمَعْدُومُ فَضْلًا عَنِ

الْحَدِّمْ قَبْلَهُ مَا لَشَيْءٍ مَوْجُودٍ اَصْلِيًّا كَانِ اَوْ ظَلِيًّا۔ یعنی جو

شے نہ یہ کہ عدم ہو بلکہ معدوم ہو۔ کس طرح اس شے کا قبوم ہو سکتا ہے۔

جو موجود ہو چاہے اس کا موجود ہونا بالاصالت ہو یا بالظلیت ہو۔ الخ

یہ عاجز کہتا ہے کہ یہ ایراد اس صورت میں واقع ہوگا۔ اگر



تمام کائناتِ عالم میں موجود ہے اور خود ملائکہ میں بھی ہے۔ اسی وجہ سے آدم علیہ السلام یعنی انسان کامل کی پیدائش کے وقت انھوں نے

بقیہ حاشیہ ۱۹ صفحہ گذشتہ) حضرت مجدد حقائق امکانہ کو صرف آئینہائے عدیۃ قرار دیتے۔ حضرت مجدد کا مسلک تفصیل کے ساتھ حاشیہ علیہ میں گزر چکا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حقائق ممکنات عدومات ہیں۔ مع ان ظلال اسما و صفات جو ان پر پڑی ہیں۔ اور آپ فرماتے ہیں کہ عدومات بہ منزلہ اصول اور مواد کے ہیں اور جو ظلال ان پر پڑے ہیں وہ بہ منزلہ صور حالہ کے ہیں۔ گویا کہ عدومات بہ منزلہ جسم کے اور ظلال بہ منزلہ روح کے۔

نیا و دم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست  
اس طرح مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ کا ظہور ہوا ہے۔ جو بھلائی اور خوبی ہے وہ تجلیات اسما و صفات و اجہی کے آثار سے ہے اور جو خرابی اور فساد ہے وہ اصلِ عدی کا اثر ہے جو کہ ماوائے شر و فساد ہے۔ وہ فردا کمل جو قیوم جہاں بنایا جاتا ہے۔ فنائے کمل اور بقائے اتم سے مشرف ہو کر ذاتِ اقدس کا نمونہ ہو جاتا ہے۔ اور اس ذاتِ موبوب پر خود اس کا اپنا اور عالم کے تمام اعراض مجتمعہ کا قیام ہے۔ یہ ذاتِ موبوب حضرت واپسب لعلایا کی دین ہے۔ لا غیر۔ ذَلِكْ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ۔ هذا ما ظہر لابی الحسن زید واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

اس کا ذکر کیا اور نزاع کیا۔ اُن کو شعور تک نہ ہوا کہ جس عیب کا وہ ذکر کر رہے ہیں وہ خود اس میں گرفتار ہو رہے ہیں۔ اسی لئے شرع شریف نے دوسروں کی عیب جوئی اور تزکیہ نفس خود کرنے سے منع کیا ہے۔

حقیقت کے اعتبار سے کائنات میں تضاد اور مخالف موجود ہے۔ ہر کائن کی حقیقت دوسرے کائن کی بقا نہیں چاہتی۔ باوجود اس کے اللہ تعالیٰ سب کو باقی رکھنا چاہتا ہے تاکہ اس کے اسماء و ظاہر ہوں۔ البتہ خلافت کے لائق ان میں سے کوئی نہ تھا کسی ایک میں بھی اپنی حقیقت کی وجہ سے یہ صلاحیت نہ تھی کہ اپنے ضد اور مقابل کی تربیت کرے۔ اس امر کی صلاحیت صرف انسانِ کامل میں ہے۔ وہ اپنی حقیقتِ جامعہ کی بنا پر کسی کا ضد اور مخالف نہیں ہے۔ تمام عالم اور تمام اسماء اس کے اجزاء اور قوی ہیں۔ اپنے اجزا اور قوی کی مخالفت کوئی نہیں کرتا ہے۔ ابلیس کو اللہ تعالیٰ نے آدم کا عدو قرار دیا ہے۔ وہ باعتبار صورت کے عدو ہے۔ کیونکہ انسانِ کامل کی صورت "الہادی" کی منظر ہے۔ اور ابلیس "المضلل" کا منظر ہے۔ المضلل یقیناً الہادی کا ضد ہے۔ شنیوی۔

چونکہ بیزنگی اسیر رنگ شد      موسیٰ با موسیٰ در جنگ شد  
چون بیزنگی رسمی کاں داشتی      موسیٰ و فرعون دارنداشتی

## اللہ کا خلیفہ

چوں کہ انسان کامل تمام اسما و صفات کا منظر ہے۔ اللہ نے اس کو اپنا خلیفہ بنایا۔ تاکہ وہ اپنے باطن کی مدد سے کائنات عالم کو باقی رکھے۔ اور کائنات میں سے ہر کائن کو اس کے حسب احوال کمال اور نقصان عطا کرے۔ اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ کائنات عالم کو بقا دینے والا انسان کامل ہے۔ ایسا خیال کرنا کفر ہے۔ دینے والا اور باقی رکھنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ انسان کامل صرف وسیلہ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فیض کو مخلوق تک پہنچاتا ہے۔ خزان عالم پر اللہ تعالیٰ نے اس کو مہر بنا کر رکھا ہے۔ جب تک یہ مہر باقی رہے گی۔ خزان عالم میں خلل واقع نہ ہوگا۔ جب انسان کامل میں سے ایک فرد مرتا ہے۔ اسی وقت دوسرا اس کی جگہ لیتا ہے۔ آخر زمانہ تک یہ سلسلہ برابری جاری رہے گا۔ اور عالم کا نظام برقرار رہے گا۔ اور جب دنیا میں انسان کامل نہ رہے۔ اور ولایت مطلقہ کے خاتم حضرت عیسیٰ عا یہ السلام وفات پا جائیں اور دنیا میں اللہ کا خلیفہ اور اس کی مہر باقی نہ رہے تو عظیم خلل واقع ہو جائے گا۔ آسمان پھٹ جائے گا۔ اور قیامت برپا ہو جائے گی۔ اور دنیا کا عمران اور اس کی آبادی آخرت کو منتقل ہو جائے گی۔

تمام خلایق میں انسان اکمل اور اللہ کے خلیفہ و اجل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ

## قطب الأقطاب

علیہ وسلم ہیں۔ دنیا میں آپ کی تشریف آوری سے پہلے انبیاء و  
رسول آپ کے نائب تھے اور وہ اللہ کے خلق تھے۔ آپ کی وفات  
کے بعد قطب الاقطاب آپ کا نائب اور اللہ کا خلیفہ اور اس کی  
مہر ہے۔ (وہ تمام اولیاء کا امام ہے) اور اس کی امامت اس  
طرح پر ہے۔ کہ وہ بعض عوالم میں کرسی پر بیٹھتا ہے۔ تمام اولیاء  
صف بہ صف اس کے سامنے آتے ہیں۔ ان اولیاء میں افراد کا شمول  
نہیں ہے۔ کیونکہ "فرد" دائرہ قطب سے خارج ہے قطب الاقطاب  
کے دو وزیر ہوتے ہیں۔ ایک دائیں طرف۔ دوسرا بائیں طرف بیٹھتا ہے۔  
حضرات صوفیہ کی اصطلاح میں وزیروں کا مقام امامت کا ہے۔  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قطب الاقطاب تھے۔ اور حضرت  
ابوبکر اور حضرت عمر آپ کے دو وزیر تھے۔ شیخ اکبر نے "فتوحات"  
میں لکھا ہے کہ قطب الاقطاب اپنے وزیروں اور دوسرے اولیاء کو  
جو کہا ہوا اور تا دو غیر بہا ہیں حکم دیتا ہے کہ وہ کائنات کو اللہ کا  
فیض ان کی استعداد کے موافق پہنچائیں۔ کائنات کی طلب  
پر لسان استعداد اور صلاحیت ہوا کرتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ  
نے ان میں جس کام کی صلاحیت رکھی ہے وہی ان کی طلب ہے۔  
اور وہی ان کو ملنا چاہیے، اور قطب الاقطاب کے واسطے سیادت  
کی شرط نہیں ہے۔ کہ وہ از روئے نسب سید ہو۔ بلکہ قطب الاقطاب  
اگر سید ہو سکتا ہے۔ تو غیر سید بھی ہو سکتا ہے۔ منوی

آن امامِ حق و قائمِ آں ولی است  
خواہ از نسلِ عمرِ خواہ از علی است  
شیخِ اکبرِ قدس سرہ نے فتوحاتِ مکیہ میں لکھا ہے کہ قطبِ اقطاب  
اپنے زمانہ کے اولیا میں سب سے افضل ہے۔ اور ولایتِ باطنی میں  
اللہ کا خلیفہ ہے۔ بعض اقطاب میں ولایتِ باطنی کے ساتھ خلافت  
ظاہری بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ابوبکر و عمر و عثمان و علی و حسن و  
معاویہ پسریزید و عمر بن عبدالعزیز و متوکل عباسی ہوئے ہیں۔  
اور بعض کی صرف باطنی خلافت ہوتی ہے جیسے بایزید لسطامی اور  
ایسے اقطاب بہ کثرت ہیں۔ الخ

اقطاب میں تقاضل بھی ہوتا ہے۔ بعض افراد دوسرے بعض  
سے افضل ہوتے ہیں۔ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی اقطاب  
میں افضل ہیں۔ آپ کا قدم ہر ولی کے گردن پر رکھا۔ یہ سارا بیان  
انسانِ کامل کا ہے۔

---

۱۱۷ اس سلسلہ میں حضرت مجددِ دفتر اول کے مکتوب ۲۹۳ میں تحریر  
فرماتے ہیں: "حضرت شیخ عبدالقادر قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ قَدْ مَحَى  
هَذِهِ عَلَى سَرِقَبَةِ كُلِّ وَدَلِي اللّٰهِ - اللہ کے ہر ولی کی گردن پر میرا  
یہ قدم ہے۔ اس سلسلہ میں صاحبِ عوارف و المعارف شیخ  
شہاب الدین سہروردی، جو کہ مرید اور تربیت یافتہ شیخ ابوالنجیب  
سہروردی کے ہیں۔ اور وہ حضرت شیخ عبدالقادر کے محرمانِ راز اور

## ناقص انسان اگر چہ ایک طرح کی جمعیت رکھتا ہے۔ اور فرشتے اس کے بھی ساجد ہیں

البقیہ حاشیہ ۲۵ صفحہ گذشتہ (مصاحبوں میں سے ہیں۔ حضرت عبدالقادر کے اس قول کو از جملہ عجیب قرار دیتے ہیں۔ جو کہ حضرات مشائخ سے بہ وجہ بقایا یائے سُکر کے اوائل احوال میں صدور پاتا ہے۔ اور نفحات الانس (از مولانا نور الدین عبدالرحمن جامی) حضرت شیخ عبدالقادر کے شیوخ میں سے شیخ عماد و باس کا یہ قول نقل کیا ہے۔ کہ بہ طریق فراست آپ نے حضرت عبدالقادر کے متعلق فرمایا۔ کہ اس عجیبی کا ایک قدم ہے جو اپنے وقت پر تمام اولیاء کے گردن پر ہوگا۔ اور وہ مامور ہوگا۔ کہ قدمی ہذا علی سقبتہ کل ولی اللہ۔ کہے اور وہ یہ بات کہے گا۔ اور تمام اولیاء اپنی گردن جھکا دیں گے۔ بہر حال حضرت شیخ اپنے اس قول میں محقق ہیں۔ اب چاہے ان کا یہ قول از وجہ بقایا یائے سُکر ہو یا وہ اس کے کہنے پر مامور ہوئے ہوں۔ آپ کا قدم آپ کے زمانہ کے اولیاء کے گردن پر تھا۔ اور اس وقت کے تمام اولیاء آپ کے قدم کے نیچے تھے۔ الخ۔ اور اسی مکتوب میں لکھا ہے۔ "آپ سے پہلے اولیاء کے بارے میں یہ حکم کب درست ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ان پہلے اولیاء میں صحابہ کرام کی جگہ بھی ہے۔ اور وہ یقینی طور پر حضرت شیخ سے افضل ہیں۔ اور آپ کے بعد کے بارے میں بھی درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بعد میں آنے والوں میں

لیکن اس کے واسطے فرشتوں کا سجدہ اور ان کی اطاعت سراسر وبال ہے۔ کیونکہ شیطان نے اس کو نہ سجدہ کیا ہے اور نہ اس کا مطیع

دبقیہ عاشیہ ۳۵ صفحہ گذشتہ) سے حضرت مہدی بھی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قیام کی بشارت دی ہے اور اپنی امت کو ان کے وجود کی بشارت دی ہے۔ اور ان کو خلیفۃ اللہ فرمایا ہے۔ اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام انبیاء اولوالعزم اور سابقین میں سے ہیں اور اس شریعت مطہرہ کے متابع ہوں گے۔ ان کے اصحاب کا مرتبہ اصحاب ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم سے ملحق ہوگا۔ اور اس امت کے متاخرین کی بزرگی ان سے ثابت ہے اور ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی لَا يُدْرِي أَوَّلُهُمْ خَيْرًا أَمْ آخِرُهُمْ۔ اس کی طرف اشارہ کرتا ہو۔ بہر حال حضرت شیخ عبدالقادر کی شان بڑی ہے اور ان کا درجہ بلند ہے۔ اور ولایت خاصہ محمدیہ کو از راہ لطیفہ بہر نقطہ آخر تک پہنچایا ہے۔ اور اس دائرہ کے سر حلقہ ہیں۔ اور اسی مکتوب میں لکھا ہے: "حضرت شیخ عبدالقادر کے مریدوں میں سے ایک جماعت ان کے متعلق بہت غلو کرتی ہے۔ اور وہ محبت میں حضرت علی کے مہمانِ شیعہ کی طرح افراط میں پڑ گئی ہے۔ اس جماعت کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت شیخ کو اولیائے متقدمین و متاخرین سے افضل سمجھتے ہیں۔ اور معلوم نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کو آپ پر فضیلت دیتے ہوں۔ یہ افراط محبت کا اثر ہے۔"

ہے۔ بلکہ شیطان اس پر غالب آگیا ہے اور وہ شیطان کا مطیع اور  
 فرماں بردار ہو کر رہ گیا ہے۔ شیطان اس سے جو کچھ کہتا ہے وہ  
 اس پر عمل کرتا ہے۔ جب بھی ناقص انسان کسی گناہ کا ارادہ کرتا ہے  
 شیطان اس کی مدد کرتا ہے اور فرشتے اس کو نہیں روکتے اور نہ  
 اس کا مُعارضہ کریں۔ کیونکہ وہ اس کے ساجد اور منقاد ہو چکے  
 ہیں۔ ناقص انسان جب بھلائی کا ارادہ کرتا ہے فرشتے خوش  
 ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ اس بھلائی کو کرے لیکن شیطان  
 اس کو روکتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کا نہ ساجد ہے اور نہ منقاد۔ اس  
 لئے وہ اس سے معارضہ کرتا ہے۔ اور اچھے کام سے مانع ہوتا ہے  
 اور چونکہ اس نے شیطان کی فرماں برداری اختیار کر رکھی ہے۔  
 اس لئے وہ اس کے مشورہ پر عمل کرتا ہے اور اچھے کام کو چھوڑ دیتا  
 ہے۔ اور وہ اس حد تک شیطان کی فرماں برداری کرنے لگتا ہے  
 کہ وہ شرک کر کے مشرک ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس  
 سے بچائے ایسا ناقص انسان اگر چہ اپنی شکل و صورت سے  
 انسان ہے لیکن وہ درحقیقت اسفل سافلین ہے۔ اس کی  
 صورت انسانی ہے اور وہ حکم میں بہا، تم کے ہے بلکہ ان سے  
 بھی کمتر ہے۔ اِنَّهُمْ كَالْاَنْعَامِ بَلْ اَنْهٰمْ اَضَلُّ۔ ایسے افراد  
 حیوانات کی طرح ہیں بلکہ حیوانات سے گمراہ تر ہیں۔  
 انسان کامل اور ناقص | اللہ تعالیٰ نے کامل اور ناقص



انسان کا حال اس طرح بیان کیا ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ  
 فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ إِلَّا  
 الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ  
 مَمْنُونٍ ۝ ہم نے انسان کو اچھی تقویم میں پیدا کیا۔ اس کو  
 اچھے سانچے میں ڈھالا۔ اس کی بناوٹ اور اس کا سانچہ  
 مخلوقات کی ساخت اور سانچوں سے بہتر ہے۔ اور پھر مردود  
 انسان حیوان سے گر کر اسفل سافلین کو پہنچ گیا۔ لیکن وہ انسان  
 جو ایمان لے آیا ہے اور نیک کام کرتا ہے اسفل سافلین کے  
 گرواب میں نہیں پھنستا، بلکہ وہ اچھی تقویم میں رہتا ہے۔ اور  
 وہ کامل انسان ہے۔ اس کے واسطے بے حساب اجر ہے جو نہ کم  
 ہوتا ہے اور نہ ختم۔

اللہ نے تمام مخلوق پر امانت پیش کی۔ سب نے قبول کرنے  
 سے انکار کیا۔ کیونکہ ان کی کثافات میں اس کی صلاحیت نہ تھی  
 وہ ڈرے اور اس بوجھ کو نہ اٹھایا۔ انسان کی نشأت میں  
 صلاحیت تھی اس نے یہ بوجھ اٹھالیا۔ اس نے ان ذمہ داریوں  
 پر نظر نہ ڈالی جو اس پر عائد ہو رہی تھیں۔ اور نہ ان تکلیفات کو  
 خیال میں لایا جو اس کو پیش آنے والی تھیں۔ حافظ کہتے ہیں۔

آسمان بار امانت نہ تو انست کشید  
 قرعہ فال بہ نام من دیوانہ زوند

## صوفی حکیم ہے

شیخ اکبر نے فتوحات میں لکھا ہے۔ صوفی حکیم ہے۔ یعنی حکمت والا ہے اور یہ بات نصِ قطعی سے ثابت ہے کہ حکمت خیر کثیر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا

- ۱۵ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ نے انسان کامل کو صوفی قرار دیا ہے۔ صوفی کس کو کہتے ہیں؟ اس کے متعلق مختصر طور پر کچھ لکھا جاتا ہے۔
- ۱۔ بعض اکابر نے کہا ہے۔ چونکہ زیادہ تر زہاد و عباد کا لباس صوف کا ہوا کرتا تھا۔ اس لئے اس مبارک جماعت کو صوفی کہا جانے لگا۔
  - ۲۔ بعض افراد نے کہا ہے کہ یہ لفظ صُفَا سے مشتق ہے۔ چونکہ ان نیک بندوں کا باطن صاف ہے۔ اس لئے ان کو صوفی کہا گیا۔ صَفَا فِی قِصْوَتِی حَتّٰی سَمِیْتُ الصُّوفِیَّ۔
  - ۳۔ کسی نے کہا ہے کہ یہ لفظ صُفَّة سے مشتق ہے۔ اور صُفَّة کے متعلق دو قول ہیں۔

پہلا قول ہے۔ صُفَّة بمعنی چبوترہ۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کی مسجد شریف کے سامنے ایک چبوترہ بنا ہوا تھا اور کھجور کے پتوں سے اس کی چھت پٹی ہوئی تھی۔ صحابہ کرام کی وہ جماعت جن کی تہ بیوی بچے تھے اور نہ مال و گھر تھا وہ اس مبارک چبوترہ پر زیر سایہ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم رہا کرتے تھے۔ اس مبارک جماعت کو اصحابِ صُفَّة کہا کرتے تھے۔ ان کی مناسبت سے اللہ کے

ہے۔ وَمَنْ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا۔ جس کو حکمت ملی اس کو بڑی خوبی ملی۔ جس شے کا بیان اللہ تعالیٰ کثیر سے

و بقیہ حاشیہ ۲۱ صفحہ گزشتہ) نیک بندوں کو صوفی کہتے لگے۔  
 دوسرا قول :- صُفَّہ ایک قبیلہ تھا جو بیت اللہ کی خدمت کیا کرتا تھا اور اس مناسبت سے اس جماعت کو صوفی کہا گیا ہے۔  
 ۴۔ کسی نے کہا ہے کہ یہ لفظ صُفَّہ سے مشتق ہے کیونکہ یہ نیک بندے اللہ تعالیٰ کی جناب میں پہلی صف کے افراد میں سے ہیں۔  
 اکابر نے اس طرح کی مناسبات کا ذکر کر کے صوفی کی تشریح کی ہے ان تشریحات کو دیکھ کر بعض افراد نے لکھا ہے کہ صُوف کی طرف صوفی کی نسبت درست ہے۔ لیکن بقیہ تشریحات میں کلام ہے۔ کیونکہ صفا کی طرف نسبت صفوی ہے اور صُفَّہ اور صُف کی طرف نسبت صفی ہے ان افراد کا اعتراض اپنی جگہ بے جا نہیں۔ کیونکہ صرفی اشتقاق کی رو سے صوفی کا اشتقاق صُفَّہ سے یا صُفَّہ سے یا صُفَّہ سے یا صُفَّہ سے یا صُفَّہ سے درست نہیں اور عام طور پر اشتقاق صرفی ہی مشہور ہے۔ اور اکابر نے ان الفاظ سے صوفی کا اشتقاق۔ صرفی اشتقاق کی رو سے نہیں کیا ہے۔ بلکہ ان کی مراد لغوی اشتقاق ہے۔ چونکہ لغوی اشتقاق کا بیان عام نہیں ہے۔ اس لئے یہ عاجز مختصر طور پر اس کا بیان کرتا ہے۔

کرے وہ قلیل نہیں ہو سکتی۔ صوفی کی نظر تمام کائنات پر رہتی ہے وہ اچھی طرح سمجھتا ہے کہ کائنات میں سے ہر کائن اور ہر شے میں اللہ

رہیقہ حاشیہ ۲۱ صفحہ گذشتہ) اس بحث کا تعلق لغت سے ہے اور علم لغت کے "فن فقہ لغت" میں اس کا بیان ہے۔ اس فن لطیف کی طرف غالباً سب سے پہلے امام ابو علی حسن بن محمد فارسی نحوی نے توجہ دلائی ہے اور اس کے کچھ اصول بیان کئے ہیں۔ ان کی وفات ۳۷۷ھ کو ہوئی ہے۔ اور پھر ان کے نامور شاگرد امام ابو الفتح بن جتی نحوی نے اس کو خوب بیاں کیا ہے۔ ان کی کتاب خصائص اللغہ مشہور ہے۔ ان کی وفات ۳۹۲ھ کو ہوئی ہے۔ حافظ ابن وحیہ نے کہا ہے کہ کلام عرب میں اشتقاق کا استعمال از عجایب تا وغرایب ہے۔ صحیح حدیث میں وارد ہے۔ انا الرحمن خلقت الرحمہ و شققت لها من اسمی اس فن کے اصول کا ذکر علمائے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ سیوطی نے المزہر۔ محمد راغب باشلے السفینہ۔ احمد فارسی شہد یاق نے سر اللیال فی القلب والابدال۔ سید صدیق حسن خاں نے العلم الخفاق من علم الاشتقاق لکھی ہے ان کے علاوہ اور تالیفات بھی ہیں۔ یہ عاجز اپنے استاد شیخ احمد لاسکندرانی رحمہ اللہ کے ایک مختصر رسالہ سے جو کہ ۲۲-۱۹۲۳ء کو دارالعلوم کے طلباء کے لئے لکھا ہے۔ مختصر طور پر اشتقاق کا بیان کرتا ہے۔

کی حکمت جاری اور ساری ہے۔ اللہ نے امانت انسان کے سپرد کر دی ہے اور یہ بوجھ اس پر رکھ دیا ہے۔ اللہ نے انسان پر

(بقیہ حاشیہ ۱۲۱ صفحہ گذشتہ) ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے، لفظی اور معنوی مناسبت کی وجہ سے کچھ تغیر کے ساتھ لینے کو اشتقاق کہتے ہیں اور اس کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ صغیر :- یہ وہ اشتقاق ہے کہ دونوں لفظوں میں تناسب، معنی اور حروف اور ترتیب حروف میں ہو۔ جیسے فعل سے لفاعل۔ فاعل۔ مفعول اس اشتقاق کا بیان تفصیل کے ساتھ علمائے صرف لے کیا ہے۔ اور یہ از مباحث لغوی نہیں ہے۔ بلکہ صرفی اس میں بحث کرتا ہے۔

۲۔ کبیر :- یہ وہ اشتقاق ہے کہ دونوں لفظوں میں تناسب معنی اور حروف میں ہو۔ ترتیب میں نہ ہو۔ جیسے جَبَد اور جَبَدب۔ اور جیسے صفا اور صوتی۔ یا وصف اور صوتی۔

۳۔ اکبر :- یہ وہ اشتقاق ہے کہ دونوں لفظوں میں تناسب جنس معنی اور مخارج حروف میں ہو۔ جیسے نَبَق (گدھے کی آواز) اور نَعَق (کوکے کی آواز) اور جیسے نَفْس اور نَفَث۔

اس فن لطیف کے سمجھنے سے زبان دانی میں ملکہ پیدا ہوتا ہے اس فن میں ہر حرف کی خصوصیات کو بھی دیکھا جاتا ہے۔ مثلاً علماء نے کہا ہے کہ جس لفظ میں جیم ہو اور نون ہو اس کے معنی میں یکا گونہ

رحمت کی نظر ڈالی تاکہ وہ کائنات پر رحم کرے اور ان پر شفقت کی نظر ڈالے۔ امانت کے طریقہ کو بہر ایک کے ساتھ برتتے۔ جو حقوق اللہ نے جس کو عطا کئے ہیں۔ وہ ان کو پوری طرح ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اعیان کو مختلف استعدادات سے نوازا ہے۔ جس کو جو استعداد ملی ہے۔ اسی کے مطابق اس کو دیا جائے اللہ نے انسان کو خلافت دی ہے۔ مخلوق میں کسی اور کو یہ فخر حاصل نہیں۔ اللہ کا خلیفہ اس کا امین ہے۔ اور وہ اس کے مقرر کردہ طریقہ سے سرمواخراہ نہیں کر سکتا۔ وہ اللہ کی مخلوق کو وہی پہچائے گا جو ان کے واسطے مقرر کیا گیا ہے۔ وہ

---

رہقیہ حاشیہ ۲۱ صفحہ گذشتہ) خفا اور تستر ہوگا۔ جن۔ جنان۔ جنون۔ جنین۔ ان سب میں کسی نہ کسی طرح پوشیدگی کے معنی پائے جاتے ہیں۔ جن، نظروں سے پوشیدہ ہے۔ جنان یعنی باغات یہ بتوں کا سایہ کر کے چھپاتے ہیں۔ جنون میں عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ جنین شکم مادر میں چھپا ہوا ہے۔ اور با اور زا کے مدلول میں خروج اور ظہور پایا جاتا ہے۔ جیسے بزخ۔ بزر۔ بزغ۔ بزر۔ بزل۔ استاذ احمد الا اسکندرانی کو اس فن میں خاص ملکہ حاصل تھا جب مجمع لغوی عربی کی تشکیل ہوئی تو یہ اس کے ایک رکن رکن تھے۔ رحمہ اللہ۔

امانت میں وہی تصرف کرے گا۔ جس کا حکم اُس کو بلا ہے۔ اگر اُس نے اس امر میں کوتاہی کی اور امانت پوری طرح ادا نہ کی۔ تو وہ ظَلُوم و جَبُول ہے۔ یعنی بڑا ہی ستمگر اور نادان۔ کیونکہ حکمت جہل اور ستم کے منافی ہے۔ جو شخص امانت کا حق ادا نہ کرے وہ حکیم نہیں ہے۔ لہذا اخلاقِ الہیہ سے متصف ہونا ہی تصوف ہے۔

شیخ اکبر کے اس کلام سے ظاہر ہے کہ انسانِ کامل، صوفی ہے۔ وہ اللہ کی مخلوق کو ان کا حق پہنچاتا ہے۔ اور حق سے مراد وہ صلاحیت اور استعداد ہے جو کہ اُس عین میں ہے۔ لہذا انسانِ کامل ہر عین کو اس کی استعداد کے مطابق دیتا ہے۔

چاہے شریعت کی رو سے وہ حق ہو یا ظلم۔ ابو جہل کا حق وہی تھا، جس کی استعداد اُس کے عین میں تھی اور وہ کفر و نافرمانی اور دوزخ میں خلودے۔ مرتبہ ثبوت میں یعنی اعیان کے اظہار کے وقت کائنات کو جس امر کی صلاحیت ملی ہے۔ انسانِ کامل اُن کو وہی پہنچاتا ہے۔ یہی اللہ کا طریقہ ہے۔ انسانِ کامل اللہ ہی کے طریقہ پر عمل کرتا ہے۔ اور اسی کا نام متخلق بہ اخلاقِ الہیہ ہونا ہے۔ اور اسی کو حکمت بھی کہتے ہیں۔

صوفی کے متعلق یہ بیان کہ وہ ہر کائن کو اس کے حسب استعداد حصہ پہنچاتا ہے۔ صوفی کے باطن کی رو سے ہے۔ کیونکہ انسانِ کامل با علم و دانش اپنے باطن کے ذریعہ سب کو

ان کے حقوق پہنچاتا ہے۔ اور صوفی جو کہ انسانِ کامل ہے اپنی ظاہری صورت سے اسم "الہادی" کا منظر ہے، وہ مکارمِ اخلاق سے نوازا گیا ہے۔ وہ اچھے اخلاق والا ہے۔ وہ سب کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتا ہے۔ شیخ اکبر نے فتوحات میں دوسری جگہ اس کا بیان اس طرح پر کیا ہے کہ صوفیہ وہ افراد ہیں جو خلقِ خدا کے ساتھ مکارمِ اخلاقِ الہیہ کی مراعات کرتے ہیں اور یہ بات غیر صوفی کے بس کی نہیں۔

صوفیہ اپنی طرح یہ حقیقت ظاہر ہے کہ مخلوقِ خدا میں سے ہر فرد کو راضی کرتا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ ایک ہی چیز ایک کی رضا کا اور دوسرے کی عدم رضا کا سبب ہوتی ہے۔ لہذا سب کے ساتھ مکارمِ اخلاق کے ساتھ پیش آنا محال ہے یہ حضرات ان افراد کے ساتھ مکارمِ اخلاق کی مراعات کرتے ہیں۔ جو اس کے اہل ہوتے ہیں۔ اور نا اہل افراد کے ناراض ہونے کی طرف ملتفت نہیں ہوتے۔ ان حضرات نے مکارمِ اخلاق کے شایان، اللہ تعالیٰ، ملائکہ، رسل، انبیاء اور اولیاء کو پایا۔ ان کے ساتھ مکارمِ اخلاق سے پیش آئے۔ اور پھر حیوانات و نباتات کے ساتھ مکارمِ اخلاق کو استعمال کیا۔ "اشرارِ ثقلین" یعنی جن انس کے اشرار کے ساتھ انھوں نے مکارمِ اخلاق کا استعمال نہیں کیا۔ البتہ امورِ مباحہ میں ان کے ساتھ کبھی مکارمِ اخلاق کی مراعات



روا رکھیں۔ ان حضرات کا خلقِ خدا سے بہ مکارمِ اخلاق پیش آنا، اللہ تعالیٰ سے بہ مکارمِ اخلاق پیش آنا ہے۔ اگر یہ حضرات حاکم و قاضی ہوں تو حدودِ الہیہ کے اجراء میں کسی کی رعایت نہیں کریں گے۔ کیونکہ حدود کا جاری کرنا۔ اللہ کے ساتھ بہ مکارمِ اخلاق پیش آنا ہے۔

مندرجہ بالا بیان سے معلوم ہو گیا کہ صوفیہ انسانِ کامل ہیں۔ لہذا ان کو اخلاقِ شرعیہ سے متصف ہونا چاہیے۔ وہ مخلوقات میں اپنے باطن سے تعریف کرتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ بارِ امانت کے اٹھانے میں ناقص انسان بھی کامل انسان کے ساتھ شریک ہے۔ لیکن وہ ادائے امانت نہیں کرتا۔ لہذا وہ ظلم اور جہول ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ امانت سے مراد اسرارِ الہیہ ہیں۔ اور امانت کے ادا کرنے کا یہ مطلب ہے۔ کہ اسماءِ الہیہ سے اپنے کو متعلق کرے اور بہ صاحبِ حق کو اس کا وہ حق ادا کرے جو کہ اس اسم کا مقتضی ہے کہ جس کا وہ مظہر بنا ہے۔

سب تعریف اللہ رب العالمین کے لئے ہے اور اس کی رحمتیں اسی کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل اور اصحاب پر نازل ہوں۔

بارِ الہا تو اس بندہ گنہگار کی برائیوں کو بھلائیوں سے اور اس کے اخلاقِ مظلمہ کو مکارمِ متورہ میں تبدیل کرے۔  
(انتہت الرسالہ)

# خاتمہ

حضرت شیخ اکبر قدس سرہ کا مسلک علامہ بکر العلوم رحمہ اللہ نے تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ اور جِدًّا مجیدِ عاشر حضرت محمد و الف ثانی قدس سرہ کا مسلک آپ کے مکاتیب و رسائل سے اس عاجز نے بیان کیا ہے۔ اختصار کے پیش نظر صرف اصولی اور اہم اختلافات کا ذکر کیا گیا ہے۔ فروعی اور جزئی اختلافات کو ترک کر دیا ہے۔ دونوں حضرات کے مسلک میں اصولی اور حقیقی اختلاف موجود ہے اور اس عاجز کو ان افراد پر تعجب ہوتا ہے۔ جو ان دونوں حضرات کے اختلاف کو صرف لفظی اختلاف سمجھتے اور ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ عاجز تین مسائل پر تھوڑا سا تبصرہ کرتا ہے۔

۱۔ شیخ اکبر صرف ایک وجود کے قائل ہیں اور وہ وجود اللہ تعالیٰ کا ہے۔ جو شخص دوسرے وجود کا قائل ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک وہ شرک کر رہا ہے۔ ان کے نزدیک کائنات کی حقیقت علم الہی ہے۔ چونکہ اللہ کا علم ازلی ابدی ہے۔ اس لئے کائنات کی حقیقت بھی ازلی ابدی ہے۔ وہ کائنات کی حقائق کو اعیان ثابتہ کہتے ہیں۔ اعیان کو خارج کی ہوائ تک نہیں مگی ہے۔ کائنات کی جو شکل اور

صورت نظر آرہی ہے وہ ایمان کا موہومی عکس ہے۔ اور چونکہ یہ موہومی عکس اللہ تعالیٰ کی صنعت ہے اس لئے وہ زائل نہیں ہوتی۔ بلکہ اس پر عذاب و ثواب مترتب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ظہور اس میں ہوا ہے۔ اور وہی اس میں متجلی ہے۔ لَمْ يَوْجُودَ إِلَّا اللَّهُ۔

حضرت مجدد فرماتے ہیں۔ اللہ کی ذات واجب الوجود ہے۔ وہ قادر مطلق ہے۔ اس نے اپنی قدرت کاملہ سے عدم سے ممکن کو پیدا کیا۔ عدم بہر شر و فساد اور ظلمت و خرابی کا مادہ ہے۔ یہ عدنی حصہ بمنزلہ اصل اور مادہ کے ہے۔ اس عدنی حصہ پر اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا ظل و پیر تو پڑا۔ جس اسم و صفت کا پیر تو جس کی اصل پر پڑا وہ اس صفت سے متصف ہوا۔ اگر اسم الہادی کا پیر تو پڑا ہے تو ہدایت پائی۔ اگر العلیم کا پیر تو پڑا ہے تو علم سے متجلی ہوا اور اگر المفضل کا پیر تو پڑا ہے۔ تو ضلالت میں پڑا۔ اسی طرح باقی صفات کی کیفیت ہے۔ آپ ممکن کا عدنی وجود ثابت کرتے ہیں۔ جو کہ بہین ظلال اوصاف الہیہ قائم ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ظل عین اصل نہیں ہے۔ آپ کے نزدیک ممکن کا وجود نہ ازلی ہے نہ ابدی۔ اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ اور اس کے لئے فنا ہے۔

حضرت محترم کے مسلک کی تائید اس حدیثِ حسن سے

ہو رہی ہے۔ جو جامع ترمذی کے باب افتراق هذه الامة۔  
 میں عبد اللہ بن عمرو سے مروی ہے۔ یقول سمعت رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اِنَّ اللہَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى  
 خَلَقَ خَلْقَهُ فِي ظِلْمَةٍ فَالْقِيَّ عَلِيَّوَصَمِّ مِنْ نُورٍ اَوْ فَمِنْ  
 اَصَابِيهِ ذَلِكَ النُّورُ اهْتَدَى وَمِنْ اَخْطَاةٍ ضَلَّ فَلِيْذَلِكَ  
 اَقُوْلُ جَفَّ الْقَلَمُ عَلٰى عِلْمِ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ  
 نے خلقت کو ظلمت میں پیدا کیا۔ پھر اپنے نور کی تجلی ان پر کی۔  
 جس پر وہ نور پڑا اس نے ہدایت پائی اور جو محروم رہا وہ گمراہ  
 ہوا۔ لہذا میں کہتا ہوں کہ اللہ کے علم پر قلم خشک ہو چکا ہے۔  
 یعنی جو کچھ اللہ کو منظور تھا۔ وہ لوح محفوظ میں لکھا جا چکا ہے  
 اب رو دیکھو کانی خیال بیکار ہے۔

جہاں حضرت وجود ہے۔ وہ نور ہی نور ہے۔ اللہ نُورُ السَّمَاوَاتِ  
 وَالْاَرْضِ۔ عدم ہی ظلمت ہے اور وہی ہے نور اور شر و فساد کا  
 ماویٰ ہے۔ کائنات کی اصل وہی ہے اور اس پر اسما و صفات  
 کی تجلی ہوئی۔ جس اصل پر جس اسم و صفت کا نور پڑا وہ اس  
 صفت سے بہرہ اندوز ہوا۔ اور جس اسم و صفت کا نور نہیں پڑا۔  
 اس سے بہرہ رہا۔ ممکن کو نقائص اپنی اصل سے اور  
 کمالات اسما و صفات کی تجلیات سے ملے ہیں۔ اس طرح  
 "مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ

سَيِّئَةٌ فَمِنْ نَفْسِكَ" کی تفسیر واضح ہوئی۔ یعنی جو بھلائی تجھ کو پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور جو برائی تجھ کو پہنچے وہ میرے نفس کی طرف سے ہے۔ ممکن کا وجود ہے اور وہ وجود اپنے اجزا سے اپنی صورت سے اپنی حقیقت سے ممکن اور حادث ہے۔ اس کی حقیقت کے لئے وجودی تعین کسی طرح ہو سکتا ہے۔ اس کی حقیقت پر اسما و صفات کا نور و ظل پڑا ہے اور وہ ظل موہومی نہیں ہے بلکہ حقیقی ہے۔ اور اس ظل سے اس کی حقیقت کا قیام ہے۔ اور وہ ظل عین اصل نہیں۔ ظل کو عین اصل نہیں کہا جاسکتا۔

۲۔ شیخ اکبر کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے مرتبہ ذات میں غنا ثابت ہے۔ مرتبہ صفات و افعال میں غنا ثابت نہیں ہے۔ بلکہ وہ ممکنات کا محتاج ہے۔ کیونکہ موصوفات کے بغیر صفات کا ظہور نہیں ہوتا۔ حضرت مجدد فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمہ وقت و ہر حال میں غنی ہے وہ کسی کا محتاج نہیں ہے بلکہ مخلوق اس کی محتاج ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ عُرَايَ اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ۔ اے لوگو! اللہ کی طرف تم ہی محتاج ہو اور اللہ ہی بے پروا اور سب تعریفوں والا ہے۔ ممکنات کے اوصاف اپنے ظہور میں موصوفات کے محتاج ہیں۔ پروردگار کے اوصاف کو احتیاج سے کیا کام۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم  
وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم

حضرت نے آیت شریفہ " وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ " اسی لיעرفون - کما قال ابن عباس سے استدلال کیا ہے۔ اور حدیث کنت کنزاً مخفیاً میں مخلقت المخلوق لاعرف کے متعلق فرمایا ہے کہ اس کا بھی یہی مطلب ہے۔ کہ میں نے خلق کو پیدا کیا تاکہ میری معرفت حاصل کی جائے۔ اور مخلوق مجھ کو پہچان لے۔

یہ عاجز کہتا ہے کہ آیت شریفہ " يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قَل لَّا تَمَنُّوا عَلَىٰ إِسْلَامِكُمْ بِاللَّهِ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ " سے بھی اسی مسلک کی تائید ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ رہا ہے کہ اے حبیب! ایمان لانے والے تم پر احسان رکھتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے۔ اُن سے کہہ دو کہ تم مجھ پر احسان نہ رکھو۔ بلکہ احسان تو اللہ نے تم پر کیا ہے کہ اُس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی ہے۔ اگر تم سچی بات نہ مننے والے ہو۔ جو لوگ اپنی جان و مال اور اولاد کو اسلام پر قربان کریں۔ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول پر کوئی احسان نہیں کیا ہے۔ بلکہ وہ اللہ کے مرہون احسان ہیں کہ اُس نے اُن کو ہدایت کی توفیق دی اور وہ ایمان لے آئے۔ یہی کیفیت کائنات کے خلق کی ہے کہ اللہ نے اپنا کرم کیا اور کائنات کو پیدا کیا۔ تاکہ وہ

اُس کی معرفت حاصل کریں۔ ۵

مِنْتِ مَنْهْ کہ خدمتِ سلطان بھی کئی  
مِنْتِ شِنَاسِ اَزْوَکْہِ بِخْدَمْتِ بَدِاشْتِ

۳۔ شیخ اکبر کے نزدیک ولایت کا اعلیٰ مقام بجز وحدت میں  
غوطہ لگانا اور وُورِ تَوْحِیدِ وِجُودِی کا حاصل کرنا ہے۔ سالک اس  
بجز ناپیدا کنار میں شناوری کرتا رہے۔ بجز وحدت کے اس کو کچھ  
نظر نہ آئے اور اس کے تن کا ذرہ ذرہ "ہمہ اوست" کی  
تکرار کرے۔

حضرت مجدد فرماتے ہیں۔ توحید و وجودی مقام یک بنی ہے  
جو سُکْر و نُدْبُوشِی کا مقام ہے۔ اور یہ ولایت کا ادنیٰ مقام ہے  
اور اس سے بالاتر دائرہِ ظلال ہے۔ جب سالک اس مقام  
میں داخل ہوتا ہے۔ وہ اسماء و صفات کے ظلال میں سیر کرتا  
ہے۔ اور اس سے بالاتر مقامِ عِبْدِیَّتِ ہے۔ یہ حضرات انبیاء  
علیہم السلام کا مقام ہے۔ اس میں صُخُوْدِ آگاہی ہے۔

سالک کی زبان پر توحید و وجودی کے مقام میں لَا مَحَالِہ  
"اَنَا الْحَقُّ" جاری ہوگا۔ اور دائرہِ ظلال میں "سُبْحَانِی مَا اَعْظَمَہ  
شَانِی" کی صدا بلند ہوگی۔ اور مقامِ عِبْدِیَّتِ میں "لَا اَحْصِی  
تِنَاءً عَلَیْکَ" کے مبارک الفاظ آئیں گے۔ یہ مقام فریق ہے۔ اس  
مقام میں "اَلْعَبْدُ عِبْدٌ قَالَتْ رَبُّ رَبُّ" کے اسرار کھلتے ہیں۔

حضرت مجدد نے ان تینوں مقامات کا ذکر و فتر اول کے مکتوب<sup>۱۴</sup> میں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تینوں مقامات کی سیر کرائی ہے۔ چنانچہ از روئے کشف و بصیرت فرماتے ہیں۔ کہ ”ہمہ اوست“ وہ شخص کہہ سکتا ہے جو مقام توحید و جود ہی میں ہے اور جو شخص اس مقام میں نہیں ہے وہ ”ہمہ ازوست“ کہے گا۔ آپ نے لکھا ہے کہ مکتوبات و رسائل میں اس درویش سے بلکہ ہر سالک سے علوم اور معارف کے بیان میں جو تفاوت ظاہر ہوا ہے۔ وہ ان ہی مقامات متفاوتہ کے حصول کی وجہ سے ہے۔ ہر مقام کے علوم اور معارف جدا ہیں اور ہر حال کا نیا قال ہے۔

خدا سبست آن کہ ذات بے مثالش  
نہ گرد و سرگز از حائلے بہ حائلے  
الہی و مولای لا اخصی ثناء علیک انت کما اثنیت  
علی نفسیک -

مناجاتے اگر باید بیاں کرو  
بے بیتم ہم قناعت می تو اں کرد  
محمد از تو می خواہم خدا را  
الہی از تو عشق مصطفیٰ را  
الحمد لله اولاً و آخراً و الصلاة والسلام علی سیدنا  
محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین